ضعیف روایات

كى أصولى حيثيت اور تشريعي مقام

اس کتاب میں ضعیف حدیث کا مفہوم، اس کی اصولی حیثیت اور تشریعی مقام، ضعیف حدیث کی جیت اور قابل اعتبار ہونے میں فرق، حضرات محدثین کرام اور اصولیین کرام کے مختلف مواقف، ان میں سے راجح موقف کی نشاند ہی، فضائل اعمال میں ضعیف روایات پر عمل کرنے کا مفہوم ودائرہ کار، ضعیف روایات سے متعلق علماء ہند کا موقف، موضوع سے متعلق مختلف شبهات واشکالات اور ان کے جوابات وغیرہ مباحث کو خالص علمی اور اصولی سانچے میں باحوالہ ذکر کیا گیا ہے۔

تالیت:

مفتى عبيدالرحمن صاحب

رئيس دارالافتاء والارشاد ، مردان

مکتبه دارالتقوی ، مردان

• m • • - 9 m r 4 l • l

بسم الله الرحمي الرحمي الرحمي عنام كتاب: - - - - - ضعيف روايات كى اصولى حيثيت اور تشريعى مقام مصنف: - - - - - مفتى عبيدالرحمن صاحب، مردان صفحات: - - - - - (۱۳۸) تاریخ اشاعت: رجب ۱۶۶۹ هرجنوری ۲۰۲۵ ناشر: - - - - - - مکتبه دارالتقوی، مردان

ملنے كاپيتر: دارالافياء والارشاد، مردان: ٣٠٠٩٣٢٦١٠١ 🛇

فهرست مضامين

۸	تعارف واہمیت کتاب
۸	مولاناڈا کٹر طہ حسین صاحب زید مجد ہم
۸	ضعیف احادیث سے متعلق چنداہم باتیں
۸	پہلی بات: احتیاط
9	دوسری بات:
1•	تيسرى بات:
1•	چو تھی بات:
ا ت	ايك عجيب نكته
۱۵	صاحب کتاب کے بارے میں دوبا تیں
14	بيثي لفظ
14	خطه بحث
19	گزشته کام کااجمالی جائزه
19	اس رساله کی اہمیت
r+	احوالِ وا قعی
	باب اول:
ير	ضعیف احادیث اور ان سے شرعی احکام کے ثابت ہونے کا قضا
rr	حديث ضعيف كاحاصلٍ مفهوم ومصداق
۲۳	حدیث ضعیف سے احکام ثابت نہ ہونے کی بنیاد
۲۳	شرعی دلیل کے بغیر احکام ثابت کرنے کے مفاسد

	٤	
۲۳	ېپلی اور دوسر ی خرابی	
۲۸	تیسری خرانی	
۲۹	چو تقی خرانی	
۲۹	پانچویں خرابی	
	لبعض دیگر ائمه محد ثین کی تصریحات	
٣۵	غالب گمان سے کم تر درجہ کا اعتبار نہیں	
٣٩	تعاملِ سلف	
	باب دوم:	
	فصل اول:	
) کرام کے تین مواقف ۴۵	ضعیف احادیث پر عمل کرنے کے متعلق حضرات محدثین	
	راجح قول اور جمهور کامو قف	
۵۵	ضعیف احادیث پر عمل کرنے کی شر ائط اور ان کی توضیح .	
	تىن شرائط	
	چوځمی شرط	
	بعض اہل علم کی بے اطمینانی اور اس کا ازالہ	
	پانچوین شرط	
	ان شر ائط کی اہمیت وافادیت	
	مجوزین کے ہاں شر ائط کی رعایت	
	"اعتقاد ثبوت" نه رکھنے کامفہوم اور ایک غلط فنہی کاازالہ	
٠ ۵۲	"احكام شرعيه "كامفهوم ومصداق	

"احكام"كے بارے ميں بعض اہل علم كى رائے	
ال رائے کا اصولی تجزیہ و جائزہ	
اصولی اور تطبیقی نقطه نگاه	
عوام میں تشہیر کا خطرہ	
اندیشہ کے وقت "بیان ضعف" کی اہمیت	
ان شر ائط كاوا قعاتى جائزه.	
ضعیف روایات پر بے قید عمل کرنے کی مصر تیں	
علامه طرطو شي رحمه الله كانفيس نكته.	
ضعیف حدیث کی جحیت کاموقف	
ان متضاد عبارات كالصولى تجزيه وتوجيه	
علامه دوانی رحمه الله کی مناسب توجیه	
علامه دوانی کی توجیه پر بعض تحفظات کاازاله	
ایک مفید فقهی نظیر	
ا یک مکنه اشکال اور اس کاجواب	
ائمہ محدثین کی عبارات سے استدلال کا تجزیبہ	
جيت اور عمل كا فرق	
دونوں پہلوؤں کے فوائد ومفاسد کا تجزیاتی مقارنہ	
باب سوم	
علماء هند كاموقف	
حضرت مولانار شید احمد گنگو ہی رحمہ اللّٰہ کامو قف	

علامه ظفراحمه عثاني رحمه الله	
علامه شبير احمد عثماني رحمه الله	
مفتی رشید احمد لدهیانوی رحمه الله	
مفتی محمود حسن گنگو بی رحمه الله	
مولاناسر فراز خان صفدر رحمه الله	
باب چهارم:	
موضوع سے متعلق کچھ اشکالات وشبہات اور ان کامنصفانہ جائزہ	
پہلااشکال: محدثین نے روایت کیوں کیں؟	
جواب:	
امام نووي رحمه الله كالمفصل جواب	
علامه لکھنوی کی و قیع توجیه	
دوسرااشكال: فقهائے كرام نے ضعیف احادیث سے استدلال فرمایا ہے	
جواب:	
تیسر ااشکال:احتمالِ ثبوت کے باوجو د کیوں قبول نہ کریں؟	
چوتھااشکال: قرآن نے توخبرِ فاسق کو مستر دنہیں کیا!	
معامله کی غیر معمولی نزاکت	
علامه شاطبی رحمه الله کی تحقیق	
یا نچوال اشکال: ضعیف اور موضوع میں فرق نہیں رہ جاتا	
ضعیف اور موضوع میں فروق	
چھٹااشکال:ہز اروں احادیث سے محرومی کا قضیہ	

174	ساتواں اشکال: فضائل کے متعلق اعتاد کرنے میں کیاحرج ہے؟
174	آ ٹھواں اشکال:احکام کے علاوہ ابواب میں مذمت کیوں؟
١٢٨	نواں اشکال:ضعف میں اختلاف کے وقت معیار کیا ہو گا؟
179	د سوال اشکال: کیابیہ " تشدّ د " ہے ؟
يين!	گیار ہواں اشکال: بعض ضعاف تووا قعات کے مطابق ثابت ہو جاتے
ITT	بار ہواں اشکال: اکابر کی کتابوں میں ضعیف روایات کیوں؟
١٣۵	مر اجع ومصادر

تعارف واجمیت کتاب مولاناڈا کٹر طرحسین صاحب زید مجد ہم

جیسا کہ بیہ بات اتفاقی طور پر ثابت شدہ ہے کہ حدیث صرف متن کانام نہیں بلکہ سند بھی حدیث مبارک ؒ:"لولاالاسناد بھی حدیث مبارک ؒ:"لولاالاسناد لقال من شاءماشاء"

اوراس کی اہمیت کیوں نہ ہو کہ حدیث پر صحت اور ضعف کے عکم لگانے کا مداراس سند پر ہے بلکہ اگر یوں کہاجائے کہ حدیث کو عام مجمع میں بیان کرنے اور بیان نہ کرنے کا دارو مدار بھی اسی سند پر ہی ہے ، سندِ حدیث ہمیں ثبوت اور عدم ثبوت کا پیتہ دیتی ہے لہذا جب تک سند درست نہ ہوتب تک حدیث کو لکھنے اور بیان کرنے پر جرات کرنانار جہنم پر جر اُت کرنے کی متر ادف ہے کیوں کہ نبی صَلَّى الْمِیْرُ کا ارشاد ہے:

" من كذب عليّ متعمدا فليتبواء مقعده من النار"

ترجمه: "جو شخص مجھ پر جان بو جھ کر حجموٹ بولے، وہ اپنامقام جہنم میں تیار کر لے۔"

ضعیف احادیث سے متعلق چنداہم باتیں

ضعیف احادیثوں پر خود بھی احتیاط کیے بغیر عمل کرنااور اسی طرح اس کی ترویخ اور اشاعت مجالس اور بیانات میں بالخصوص عوامی مجالس میں اس کو بیان کرنے سے پہلے حسب ذیل باتوں کالحاظ رکھناانتہائی ضروری ہے۔

پہلی بات:احتیاط

حضرت عبد الله ابن مسعود رضی الله عنه کے اس واقعے سے اسی احتیاط پر خوب روشنی پڑتی ہے: "حدثنا ابو بكر بن ابي شيبة ، حدثنا معاذ بن معاذ ، عن ابن عون ، حدثنا مسلم البطين ، عن إبراهيم التيمي ، عن ابيه ، عن عمرو بن ميمون ، قال : ما اخطاني ابن مسعود عشية خميس إلا أتيته فيه، قال : فا سمعته يقول لشيء قط، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: فلما كان ذات عشية، قال، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال : فنكس، فنظرت إليه فهو قائم محللة ازرار قميصه، قد اغرورقت عيناه وانتفخت أوداجه، قال: أو دون ذلك، أو فوق ذلك، أو قريبا من ذلك، أو شبيها بذلك".

ترجمہ: "حضرت عمرو بن میمون فرماتے ہیں کہ میں بلا ناغہ ہر جمعرات کی شام کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس جاتا تھا، میں نے کبھی بھی آپ کو کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ علیہ وسلم کہتے نہیں سنا، ایک شام آپ نے کہا: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنا سر جھکا لیا، میں نے ان کو دیکھا کہ اپنے کرتے کی گھنڈ یاں کھولے کھڑے ہیں، آئکھیں بھر آئی ہیں اور گردن کی رگیں اپنے کرتے کی گھنڈ یاں کھولے کھڑے ہیں، آئکھیں بھر آئی ہیں اور گردن کی رگیں کچول گئی ہیں اور کہہ رہے ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کچھ کم یازیادہ یااس کے قریب یااس کے مشابہ فرمایا۔"

دوسری بات:

اصولی بات یہ ہے کہ دفع مضرت اولی ہے جلب منفعت سے، لہذا اگر ضعیف احادیث مبار کہ میں ایک طرف اجر و ثواب ملنے کی امید ہے تو دوسری طرف سندکی ضعف کی وجہ سے اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ شاید وہ حدیث ثابت نہ ہو، اور جب ہم حدیث پر ملنے والے انعام اور بشارت یا فضیلت کی ترغیب دیتے ہیں تو عام لوگ ان

د قتوں سے نا آشنا ہوتے ہیں یاان باریکیوں کو نہیں سمجھ پاسکتے، لہٰذاعام لوگ نبی سَکُاللَّٰہُ کُمْ کَا طرف نسبت کرتے ہوئے اس عمل کو سرانجام دینگے اور جو بات حضور پاک سَکُلَّاللَّٰہُ مِّے ثابت نہ ہواس کو ثابت مانناانتہائی پُر خطر بات ہے بلکہ باالفاظ دیگر غیر شریعت کو شریعت بنانے اور یہی کچھ ابتداع اور اختراع فی الدین کہلا تاہے۔

تيسرى بات:

جو لوگ ضعاف پر عمل کرتے ہیں یقینی نسبت کے ساتھ اور ثبوت من النبی منگالیا یہ کے ساتھ ، تواان کا خاتمہ بالشر ہونے کا اختال ہے اور یہ اسی لیے کہ مثلاً اکثر احادیث مبار کہ میں مختلف فضائل آتے ہیں اور ان میں اکثر ایسی فضیلتیں ہوتی ہیں کہ وہ دنیاوی نزندگی میں مرنے سے پہلے انسان کو ملنے کی یقین دہانی کر اتی ہے تو وہ شخص اس حدیث پر اہتمام کے ساتھ عمل کرتا ہے اس یقین کے ساتھ کہ مرنے سے پہلے یہ چیز مجھے ضرور مل جائے گی حالا نکہ وہ حدیث ثابت نہیں ہوتی ہے ، اور جب ثابت نہ ہو تو بشارت اور فضیلت کہاں سے ان کو ملے گی ؟ لہذا مین مرتے وقت وہ تردّ د اور شک میں مبتلا ہو جاتا ہے اور نعوذ باللہ شریعت کی کسی بات کوشک کی نگاہ سے د یکھنا اور اس کے بارے میں تردّ د کرنا ہو اندیشہ کفر ہے۔

چو تھی بات:

تین قسم کے گناہ ہیں فکری یعنی اعتقادی ، قلبی اور عملی یعنی ظاہری جوارح کے ساتھ کیے جانے والے بد اعمال ، تو عام طور پر لوگ ظاہری گناہوں سے مثلاً جھوٹ ، دھو کہ ، خیانت ، بد نظری وغیرہ سے تواپنے آپ کو بچاتے ہیں لیکن قلبی گناہ مثلاً تکبر ، حسد ، حب مال ، حب جان وغیرہ توان چیزوں کو اول تو گناہ سمجھتے نہیں ہیں یا اگر سمجھتے ہیں تو پھر اس سے بچنے کا اہتمام نہیں کرتے ، اور تیسری قسم کی وہ گناہ ہے جو کہ عقلی یا اعتقادی ہے یعنی

عقیدہ میں فتور آنا، تو یہ بہت خطرناک ہے کہ اعتقادیات میں کوئی لغزش آجائے نعوذ باللہ، اور ضعیف احادیث میں ہے احتیاطی کے بناپر اس پر عمل پیراہونے میں فکری گناہ کے ارتکاب کااندیشہ ہے۔ (تیسری اور چوتھی بات) یہ دونوں باتیں ایک مجلس میں استاد محترم حضرت مفتی عبید الرحمن صاحب مد ظلہ العالی جو کہ اسی کتاب کامؤلف بھی ہے سے ساعت کی ہے۔

ہماری شریعت الحمدللہ مستکم بنیادوں پر استوار ہے ، غیر معروف راستوں کی تلاش یانامعلوم منزل کامسافر بن کر کٹی ہوئی پٹنگوں کی طرح دوسروں کے ہاتھوں کا کھلونا بنناکسی طرح مناسب نہیں ہے۔

شریعت پر عمل کرنے کے لیے قر آن کریم اور احادیث مبار کہ کا ثابت شدہ یقین فرخیرہ موجود ہے، لہذا مشکوک باتوں کی طرف جانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اصولی بات سے ہے کہ اگر ہم اعتدال کاراستہ اپنا کر افراط اور تفریط سے بچنے کی کوشش کریں گے تو انشاء اللہ ہر قسم کی غلطیوں سے اللہ تعالی محفوظ اور مامون فرمائیں گے، احادیث مبار کہ کے بارے میں بھی بڑی بے اعتدالیاں ہوئی ہیں اور ہورہی ہیں، ایک طرف علامہ البانی مرحوم اور ان کے متبعین غیر مقلدین کا طریقہ کار ہے جو انتہائی افسوسناک ہے کیونکہ انہوں نے ضعیف حدیث کو موضوعی احادیث کے ساتھ ضم کر کے انتہائی ناقدری کا شوبت دیاہے عشق رسول منگا اللہ ہے ہو اور ان کے متبعین غیر مقلدین کا طریقہ کار ہے جو انتہائی افسوسناک ہے کہ انہوں نے ضعیف حدیث کو موضوعی احادیث کے ساتھ ضم کر کے انتہائی ناقدری کا جوجو بات تخضرت منگا اللہ ہے کہ جوجو بات آنحضرت منگا اللہ ہے کہ اس کو حدیث کو دل و جان سے تسلیم کرنا اور و جو جو بات آنے خوان سے تسلیم کرنا اور و بان بنانا چاہیے۔

اس کے بالمقابل دوسرے حضرات کا طریقہ کار بھی اعتدال سے ہٹا ہواہے وہ ہر اس سنی اور نقل کی ہوئی بات کو جس کے ساتھ سند کی شکل میں رجال کی کوئی کڑی موجو د ہو کو حدیث تصور کر کے لوگوں میں پھیلاتے رہتے ہیں حالا نکہ سند تو وہ ہوتا ہے جس کو نقادِ حدیث سند کہے، یہ بڑی بے احتیاطی ہے اور حدیثِ رسول کے نام پر شریعت مطہرہ کی خوبصورت چیرے کوبدعات اور خرافات سے داغدار کرنے کی متر ادف ہے۔

ہمارے مخدوم محترم حضرت مفتی عبید الرحمن صاحب نے سالہاسال کی محنتوں سے اور اپنے مطالعہ کا نچوڑر کھ کربہت در مندی سے ان اور اق کو ہمارے سامنے رکھ کربہم پر احسان کیا ہے اللہ تعالی ہمیں قدر شاسی نصیب فرمائے ، حضرت مفتی صاحب کی فکر یہی ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی حدیث خواہ قول کی شکل میں ہویا فعل کی شکل میں ہویا کہ اس کے کہ اس کے کہ بھول کی صاحب کے کہ بھول ایک صاحب کے کہ:

" تنلیاں اڑتی ہے اور اس کو پکڑنے والے سعی ناکام میں اپنوں سے بچھڑ جائے "

یہ انتہائی باریک کلتہ ہے علماء کرام کو اس ابتلائے عام میں کلیدی کر دار اداکر ناچاہیے اور وہ یہ کہ ضعاف پر عمل کرتے وقت بالکل بھی نسبت الی الرسول مَثَافِیْنِ مِسَلِی سے احتراز کرنا چاہیے ، یہی بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ اگریہ بات ثابت ہو تواللہ تعالی سے موعودہ انعام ملنے کی امید رکھی جائے اور بس۔اس طرح کرنے سے ان شاءاللہ تعالی اللہ ہمیں محروم بھی نہیں فرمائیں گے اور امر ممنوع سے بھی محفوظ رہیں گے۔ شریعت اپنی چاہت پوری کرنے کا نام نہیں ہے بلکہ انقیاداور تسلیم و رضاکا نام ہے، بس جو تھم شریعت کی طرف سے ہمیں مل جائے اس کو من وعن اپنی احساسات اور جذبات سے بالاتر ہو کر سر

تسلیم خم کرنے کانام ہے یہی جذبہ اگر کسی کونصیب ہو جائے توزہے قسمت، ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ:

" در میان قعر دریا تحت بند کر دیم باز میگوئی که دامن تر مکن هوشیار باش"

مفہوم یہ ہے کہ ایک طرف توسمندر کے گہرے پانی میں غوطہ لگانے کا تکم ہے اور ساتھ یہ بھی تکم ہے کہ پڑوں کو گیلے ہونے سے بھی بچائے توبظاہر توبیہ انتہائی ناممکن ہے کہ پانی میں غوطہ بھی لگائے اور کیڑے بھی ترنہ ہو، بس شریعت انہی د قتوں اور نزاکتوں کے پانی میں غوطہ بھی لگائے اور کیڑے بھی ترنہ ہو، بس شریعت انہی د قتوں اور نزاکتوں کے در میان چلنے کا نام ہے اسی کو تقوی کہتے ہیں اور اسی کو احتیاط سے تعبیر کیا جاتا ہے، یہاں پر بھی یہی احتیاط مطلوب ہے، تو انشاء اللہ ہم احادیث مبار کہ پر عمل کرنے اور دوسری طرف احتیاط نہ کرتے ہوئے متر دد اخبار کورسول اللہ منابالی پر عمل کرنے اللہ کرنے اللہ کرنے اللہ کرنے اس عمل پر وہ موعودہ انعام سے نوازیں انشاء اللہ، اللہ تعالیٰ ہمیں محروم نہیں فرمائیں گے۔

تعالیٰ ہمیں محروم نہیں فرمائیں گے۔

اسی طرح الیی احادیث کو جن کی سند متکلم فیہ ہو تو بیان کرنے میں بھی، لکھنے اور کہنے میں بھی اس طرح تعبیر کیا جائے کہ" روایت کی گئی ہے "یا" اس طرح فرمایا گیا ہے" وغیرہ۔

ایک عجیب نکته

فقہائے کرام نے یہ قاعدہ بیان کیاہے کہ جب حدیث مختلف معانی کا محتمل ہو تو بلا دلیل ان متعدد معانی میں ایک متعین معنی کوراج قرار دیکر اس کومر ادِر سول الله سَلَّاتَٰیْمُ کہنا، بڑی جسارت ہے کیونکہ: "لان القول عليه السلام بالظن حرام كما ان القول باالظن على الله حرام "

تو قرائن سے راجح معلیٰ کو اپنی طرف منسوب کرو نہ کہ نبی سَکَاتِیْکِمْ کی طرف کیونکہ نفن غالب آپ کے قول کیلئے تواصل بن سکتاہے لیکن نبی سُکَالِیُّنِمُ کے قول اور مر اد کیلئے تم کھی بھی دلیل نہیں بن سکتا، اب صرف اس قاعدے اور احتیاط کو مد نظر رکھتے ہوئے مختاط شخص پوری حدیث جس کی سند ضعیف ہو اس کی نسبت رسول الله صَّاعَیْزُمْ کی طر ف کرناتو در کنار وہ حدیث کے اندر کسی محتمل لفظ کو بھی دیکھ کراس کی وضاحت ،اس کامعنی اوراس کی شرح بیان کرنے سے پہلے سوبار سوچے گا کہ ایسانہ ہو کہ میں نبی سَلَّاتِیْا کُم طر ف ایسے معنی کی نسبت کرلوں جو حقیقت میں نبی مَلَّالتَّائِمٌ کی مر ادنہ ہو یامقصو دنہ ہو۔ اسی طرح جہاں پر مختلف وجوہ اعراب کا احتمال ہو تو وہاں پر بھی باتو متعد د احتمالات اور وجوبات ير تكلم كياجائے يا پھر آخر ميں " او كما قال عليه الصلوة السلام " كہا اور پڑھا جائے مثلا:" نحن معاشر الانبیاء" کو نصب کے ساتھ بھی پڑھاجا تاہے برائے اختصاص اور اس کو رفع کے ساتھ بھی پڑھا جاتا ہے برائے تاکیدیا بناء بر خبریت، تو مقصودیہ ہے کہ احادیث مبار کہ کسی عام شخص کا کلام نہیں ہے یہ صادق اور مصدوق علیہ الصلوة والسلام کا کلام مبارک ہے اور جس شان اور جس احتیاط کے ساتھ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی عنهم اجمعین نے اسے ضبط کیا ہے اور جس شوق اور محبت سے ہمارے سلف صالحین نے ہم تک محفوظ طریقے سے اس کو پہنچایا ہے تو ہمیں بھی چاہیے کہ انہی کے راستوں پر چلتے ہوئے اسی طرح احتباط کا برتاؤ کیا کرس۔ اللہ تعالی ہمیں عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

پس اس اہم نکتے کو صاحب کتاب نے اپنے اس قیمی اوراق میں زیر بحث لایا ہے، قار ئین سے التماس ہے کہ جس درد دل سے ان تنکوں کو جمع کرکے آشیانہ بنایا گیاہے اسی درد سے اس کو دیکھااور پڑھاجائے۔ جزاکم اللہ خیر ا۔

صاحب كتاب كے بارے میں دوباتیں

موضوع کتاب کی مخضر تعارف کے بعد اب صاحب کتاب کے بارے میں ایک دو ماتیں عرض کرتا چلوں:

صاحب کتاب کے بارے میں پچھ کہنا تو سورج کو چراغ دکھلانے کے متر ادف ہے، تاہم وہ احباب جو یہ سطور پڑھیں گے تو وہ ضرور یہ جاننا چاہیں گے کہ اس کتاب کا مؤلف کون ہے ، تو میں صرف اجمالی طور پر چند با تیں حضرت مفتی دامت بر کا تہم کے بارے میں کہنا چاہوں گا کہتے ہیں کہ:

"عطروه كه خو دببويدنه كه عطار ببويد"

لیعنی عطروہ ہو تا ہے کہ خود ان سے خوشبو پھوٹے نہ کہ کوئی اور اس کی صفات بیان کرتا پھرے، توالجمد للہ مفتی صاحب وہ عطر ہے کہ ان سے چار سوروحانی خوشبو پھیل رہی ہے وہ بیک وقت ایک کہنہ مثق مدرس، ایک مایہ ناز فقیہ ، ایک بہترین مربی، ایک مشفق معلم اور استاذ، امت کا حقیقی معنوں میں درد اور غم رکھنے والا مجاہد اور اسی طرح سلوک اور احسان کے اعتبار سے ایک عظیم صوفی اور مرشد، عالم اسلام میں رہنے اور بسنے والے مفلوک الحال، ظالم اور خون خوار ، یہودی بھیڑیوں کے نرنے میں جکڑے ہوئے مظلوم میں رہوئی امت کی وحدت اور یگا گئت کی کشتی کا حقیقی ملاح، الغرض علمی اور عملی محاس کا ایک حسین مرقع اور مجموعہ ہے، اللہ تعالی نے ان کو علمی رفعتوں کے ساتھ روحانی کا ایک حسین مرقع اور مجموعہ ہے، اللہ تعالی نے ان کو علمی رفعتوں کے ساتھ روحانی کا ایک حسین مرقع اور مجموعہ ہے، اللہ تعالی نے ان کو علمی رفعتوں کے ساتھ روحانی

مدارج سے بھی نوازاہے، ہر فن میں ان کومہارت تامہ حاصل ہے، مطالعہ ان کا اوڑ ھنا بچھوناہے، ہر فن پر کامل دستر س رکھتے ہیں۔

حضرت مفتی صاحب کی متعدد کتب منصہ شہود پر آ چکے ہیں اور پورے پاکستان کے طول وعرض میں بڑے بڑے شیوخ سے داد تحسین وصول کر چکے ہیں، بعض کتابوں کے الحمد للله دیگر زبانوں میں تراجم بھی ہو چکے ہیں۔
راقم اثیم: حافظ محمد طه حسین

بسم الله الرحمن الرحيم

پیشِ لفظ

نحمده ونُصلّى على رسوله الكريم، أمّا بعد:

اس کتابی کا پس منظریہ ہے کہ ہمارے ہاں شعبان کی تعطیلات میں "علم اصولِ فقہ "
کا دورہ ہو تاہے ، جہاں اس عظیم و مفید علم کے تمام تر ضروری مباحث قدیم مآخذ کی روشنی میں تطبیقات کے ساتھ ذکر کئے جاتے ہیں ، اصول فقہ کا ایک اہم حصہ "حدیث وسنت" بھی ہے ، اس باب کو بھی پوری اہمیت واہتمام کے ساتھ پڑھانے کی کوشش کی جاتی ہے ،
اس مبحث کا ایک اہم عنوان "ضعیف روایات" ہے جس کے متعلق اس وقت افراط اور تفریط کے متعلق اس وقت افراط اور تفریط کے مختلف مظاہر دیکھنے میں آتے ہیں ، اس لئے اس موضوع پر بھی اصولی نوعیت کی بحث کی جاتی ہے ۔

چند سال پہلے دورانِ درس بعض باذوق طلبہ مختلف اشکالات وشبہات پیش کرتے رہیں،اس پر خاصاوقت صرف ہوا، اس سے پچھ جذبہ پیداہوا کہ اس موضوع کو اصولی انداز میں حل کرنا چاہئے، دارالا فتاء کے ساتھ وابسگی کی وجہ سے ان جیسے جذبات میں مزید تازگی و پختگی پیداہوتی رہتی ہے،اس لئے یہ چند سطور لکھنے کی نوبت آئی۔

خطه بحث

حدیث ِضعیف کا اصولی مقام اور شرعی حیثیت کیاہے؟ اوران جیسی روایات سے صحیح تعامل کا طریقہ کار کیا ہے؟ ان باتوں کی اچھی طرح تنقیح و تہذیب کے لئے آئندہ معروضات کوایک خاص ترتیب کے مطابق تقسیم کیاجا تاہے:

ا: پہلے باب میں حدیث ضعیف کا عمومی سا تعارف کیا گیاہے، حدیث ضعیف سے احکام ثابت نہ ہونے کی علمی اصولی وجہ ذکر کی گئی ہے، شرعی دلیل کے بغیر احکام ثابت کرنے میں موجودہ مفاسد وخرابیوں کو ذکر کیا گیاہے، اس حوالہ سے امت کے اسلاف کا تعامل اور محدثین کرام کی تصریحات وعبارات بھی ذکر کی گئیں ہیں۔

۲: دوسراباب دو فصول پر مشمل ہے، فصل اوّل میں حدیث ضعیف پر عمل کرنے سے متعلق حضرات محد ثین کرام کا اختلاف ذکر کیا گیاہے، ان میں سے رائح قول کی نشاندہی کی گئی ہے، رائح قول کے مطابق جن شر الطاکاس باب میں لحاظر کھناضر وری ہے، ان کی غیر معمولی اہمیت وافادیت اور ان کے شر ط لگانے کی اصولی بنیادیں ذکر کی گئیں ہیں، اس حوالہ سے مختلف اہل علم کی عبارات بھی بقدرِ ضرورت ذکر کی گئیں ہیں۔ فصل دوم میں زیر بحث مسلہ سے متعلق حضرات علماء ہند کاموقف ذکر کیا گیاہے۔

سا: تیسر سے باب میں موضوع سے متعلق گیارہ اہم شبہات واشکالات کاعلمی واصولی جائزہ لیا گیاہے، یہ وہ شبہات واشکالات ہیں جن کی وجہ سے زیر بحث مسلہ میں علمی اور عملی طور پر بے احتیاطی کے متعدد مظاہر پیداہوئے ہیں، بھر پور کوشش کی گئی ہے کہ علمی اور اصولی سانچے میں رہ کر ان کا تصفیہ کیا جائے۔

چونکہ یہ مسکلہ ایساہے جس پر تین چار دہائیوں سے مختلف طبقات کی جانب سے بحث و سمحیص کی جارہی ہے اور اہل علم کی جانب سے مختلف قسم کے مواقف سامنے آئے ہیں، مستقل تحریرات و تالیفات بھی وجو دمیں آئی ہیں،اس لئے کوشش کی جاتی ہے کہ بات کو اصولی مدلل انداز میں ذکر کیا جائے اور اختصار کا دامن تھاہے رکھا جائے۔

گزشته کام کا اجمالی جائزه

اس موضوع پر معاصر اہل علم نے بہت کام کیا ہے، علوہ حدیث اور علم اصول فقد کی کتابوں میں متعدد جگہ اس پر گفتگو کی گئی ہے، اس کے علاوہ دسیوں کتابیں اور مقالات ایسے بھی ہیں جو خاص اسی مسئلہ سے متعلق تحریر کی گئیں ہیں۔ مثال کے طور پر شخ محمہ عوامہ زید مجد ہم کی "علم العمل بالحدیث الضعیف"، دکتور عبد الکریم بن عبد اللہ الحضیر کی "الحدیث الضعیف و حکم الاحتجاج ہہ"، دکتور عبد العزیز عبد الرحمٰن کی "تحقیق القول بالحدیث الضعیف و حکم الاحتجاج ہہ"، دکتور عبد العزیز عبد الرحمٰن کی "تحقیق القول بالعمل بالحدیث الضعیف"، شخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریار حمہ اللہ کی "کتب فضائل پر اعتراضات اور ان کے جو ابات"، حضرت مولانا شعیب اللہ خان مفتا تی زید مجد ہم کی "احادیث ضعیفہ کی استدلالی حیثیت" اور حضرت مفتی رضاء الحق صاحب زید مجد ہم کی افادات پر مشتمل کتاب" الجزء اللطیف فی الاستدلال بالحدیث الضعیف" وغیرہ تحریرات خاص اس موضوع کی تحریر و تحقیق پر مشتمل ہیں ، ان کے علاوہ شیخ محدث ناصر الدین خاص اس موضوع کی تحریر و تحقیق پر مشتمل ہیں ، ان کے علاوہ شیخ محدث ناصر الدین البانی مرحوم نے مخلف رسائل وکتب کے ضمن میں اور مولانا عبد اللہ معروفی نے ادر تحریرات بلکہ ان کے علاوہ بھی متعدد تالیفات و مقالات اس ناکارہ کی نظر سے گزری بیں اور موضوع سے متعلق درست موقف تک جینچنے کے لئے ان استفادہ سے گرزی بیں اور موضوع سے متعلق درست موقف تک جینچنے کے لئے ان استفادہ سے کرنے کی بھی اپنی حد تک کوشش کی ہے۔۔۔

اس رساله کی اہمیت

ضخامت کے لحاظ سے تو یہ ایک چھوٹا سار سالہ ہے لیکن اس کے مرتب کرنے میں میرے کم و بیش پانچ سال صرف ہوئے ہیں ، اس دورانیہ میں موضوع پر سوچ و بچار بھی کرتارہا، باذوق اہل علم سے بحث و مناقشہ بھی کرتارہا، ورانگہ اصول فقہ وعلم اصول حدیث

کا مطالعہ و تلاش بھی جاری رہا، بعض عبارات و تحقیقات تلاش کرنے میں بڑی ورق گر دانی بھی کرنی پڑی۔

احوال واقعى

اس حقیقت کا ظہار بھی مناسب سمجھتا ہوں کہ اس ناکارہ کو علم اصولِ حدیث میں کوئی مہارت ہے نہ ہی اس کا دعوی ہے، محض اللہ تعالی کے فضل و کرم سے مختلف کتب حدیث کے پڑھانے کی اگر چہ توفیق نصیب ہور ہی ہے لیکن وہ میری اہلیت واستحقاق سے اونچے اور بہت اونچے درجہ کا معاملہ ہے جس پر اپنے کریم رب سے شکر کرنے کی توفیق مانگتا ہوں۔اس لئے حدیثی مباحث کی طرف زیادہ تعرض نہیں کیا گیا بلکہ اس کو ماہرین فن ہی کے لئے چھوڑا گیا ہے، یہاں زیر نظر موضوع کی اصولی حیثیت اور اس سے متعلقہ مباحث پر گفتگو کی گئی ہے۔

الله تعالى سے دعاء ہے كہ اپنے ناكارہ بندے كى اس حقير سى كاوش كو محض اپنے نضل وكرم سے قبول فرمائيں اور امت مرحومہ كے حق ميں اس كونا فع ومفيد بنائيں ، وہ بہت ہى قدر دال اور نہايت ہى رحم وكرم والا ہے۔

ناکاره عبیدالر حمن دارالا فتاءوالار شاد،مر دان ۲۳۰ربیج الثانی ۲۳۹ھ

باب اول:

- حدیث ضعیف کا حاصل مفهوم ومصداق
- حدیث ضعیف سے احکام ثابت نہ ہونے کی بنیاد
- شرعی دلیل کے بغیر احکام ثابت کرنے کے مفاسد
 - ائمه محدثین کی تصریحات
 - غالب گمان سے کم تر درجہ کا اعتبار نہیں

باب اول: ضعیف احادیث اور ان سے شرعی احکام کے ثابت ہونے کا قضیہ حدیث ضعیف کا حاصلِ مفہوم ومصد اق

یہاں ضعیف حدیث سے مراد وہ روایت ہے جو اصطلاحی لحاظ سے صحیح یا حسن نہ ہو، محدثین کے ہاں یہی اصطلاح زیادہ رائج اور مشہور ہے۔ رادی کے ضبط وحافظہ میں خلل وغیرہ عناصر کی وجہ سے بعض او قات کوئی حدیث فی نفسہ ضعیف قرار پاتی ہے لیکن تعدد ّدِ طرق کی وجہ سے وہ حسن لغیرہ کے درجہ تک پہنچ جاتی ہے،ایسی روایت بھی ضعیف حدیث کے تحت داخل نہیں ہے بلکہ وہ تو حجت ہے جس سے شرعی احکام ثابت ہوسکتے حدیث کے تحت داخل نہیں ہے بلکہ وہ تو حجت ہے جس سے شرعی احکام ثابت ہوسکتے ہیں۔

اسی طرح محدثین کرام کے یہاں ضعیف حدیث کی مختلف قسمیں ہیں، بعض کتابوں میں چالیس تک اور بعض میں اس سے کم و بیش اقسام بیان ہوئی ہیں،ان اقسام میں سے ایک قسم "موضوع" بھی ہے، یہ قسم گواپنے مقسم (حدیث ضعیف) کے تحت داخل ہے لیکن یہاں مقسم میں اتناعموم مقصود نہیں اور ذیل کے سطور میں ضعیف حدیث سے متعلق جو معروضات پیش کی جائیں گی،ان کا"موضوع" روایات کے متعلق ہوناضر وری نہیں ہے بلکہ ایسی روایت کے متعلق تو تقریباً اتفاق ہے کہ موضوع ہونے کی وضاحت نہیں ہے۔ کیفیراس کا بیان واشتہار بھی درست نہیں ہے۔

ایک بغیراس کا بیان واشتہار بھی درست نہیں ہے۔

"تدریب الراوی" میں ہے:

(النوع الحادي والعشرون: الموضوع: هو) الكذب (المختلق المصنوع، و) هو شر الضعيف)، وأقبحه (وتحرم روايته مع العلم به)، أي بوضعه (في أي معنى كان) سواء الأحكام والقصص والترغيب وغيرها (إلا مبينا)، أي مقرونا ببيان وضعه، لحديث مسلم: «من حدث عني بحديث يرى أنه كذب، فهو أحد الكاذبين».

ترجمہ:" (موضوع سے مر اد جھوٹی اور من گھڑت بات ہے یہ ضعیف حدیث کی سب سے کمزور اور بدترین شکل ہے اور جب اس کے جھوٹے ہونے کاعلم ہو تو تو چاہے وہ کسی بھی نوعیت کی حدیث ہو اس کا بیان کرنا حرام ہے خواہ وہ احکام ہوں، قصے ہوں، ترغیب وغیرہ ہو، البتہ اگر اس کے جھوٹے ہونے کی وضاحت کے ساتھ بیان کیا جائے تو پھر گنجائش ہے، جیسے مسلم شریف کی حدیث میں ہے: «جو شخص مجھ سے ایسی حدیث نقل کرے جسے وہ جھوٹ سمجھتا ہو، تو وہ دونوں میں سے ایک جھوٹا ہے۔ اتو جیبہ النظر "میں ہے:

اتفق العلماء على أنه لا يجوز ذكر الموضوع إلا مع بيان في أي نوع كان. ٢

ترجمہ:"علاء کااس بات پر اتفاق ہے کہ موضوع حدیث کاذکر صرف اس صورت میں جائز ہے جب اس کا واضح طور پر بیان کیا جائے کہ وہ موضوع (جھوٹا) ہے، چاہے وہ کسی بھی قسم کا ہو۔

ا تدريب الراوي:النوع الحادي والعشرون الموضوع،تعريف الوضع وكيفية معرفته،ج١ص ٣٢٣.

^۲ توجيه النظر إلى أصول الأثر،صلة تتعلق بالضعيف، ج٢ص ٣٥٣.

حدیث ضعیف سے احکام ثابت نہ ہونے کی بنیاد

ضعیف احادیث سے شرعی احکام پراستدلال کرنا درست ہے یانہیں؟ محض الیی روایات کی بنیاد پر کوئی شرعی حکم ثابت ہو سکتا ہے یانہیں؟

اس میں جمہورامت کا موقف یہی ہے کہ ضعیف حدیث سے شرعی حکم ثابت نہیں ہوسکتا۔اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ:

ا: شرعی حکم، شرعی دلیل ہی سے ثابت ہو سکتا ہے۔

۲: جبکہ ضعیف حدیث شرعی دلیل نہیں ہے۔

جہاں تک پہلی بات ہے (کہ شرعی علم، شرعی دلیل ہی سے ثابت ہوسکتا ہے) تواس کی وجہ یہ ہے کہ "شرعی علم" میں لفظ" یاء" شریعت کی جانب نسبت کرنے کا پتہ دیتی ہے، چنانچہ ہم جب کسی بات کو شرعی علم کا درجہ دیتے ہیں تواس کا مطلب یہی ہو تا ہے کہ وہ بات شریعت کی بتلائی ہوئی ہے اور خو دشریعت ہی نے اس کو "حکم "کا درجہ دیا ہے اور ظاہر ہے کہ شریعت کی بات شریعت ہی سے معلوم ہوسکتی ہے، شریعت کی خود رہنمائی کے بغیر ایساکوئی راستہ نہیں ہے جس کے ذریعے یہ بات معلوم کی جاسکے،اس میں عقل و فکر یاخیال و تصور و غیرہ سے کام لینا کسی طرح درست نہیں ہے۔ جن ذرائع سے شریعت کی رہنمائی معلوم ہوتی ہے، انہی کوشرعی دلائل سے تعبیر کیاجا تا ہے۔

شرعی دلیل کے بغیراحکام ثابت کرنے کے مفاسد

اگر کسی شرعی دلیل کاسهارالئے بغیر کسی بات کو شرعی حکم کا در جه دیا جائے تواس میں تین بڑی خرابیاں اور نمایاں مفاسد ہیں:

پہلی اور دوسری خرابی

اس میں الله تعالی اور حضرت رسول الله صَلَّاتِيْنَا مِّى دونوں پر افتر اء کا اندیشہ ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی چیز کو دین کی طرف منسوب کرنا انجام کار اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا انجام کار اللہ تعالیٰ کی طرف ہی منسوب کرناہے اور جب اس پر کوئی تسلی بخش دلیل موجود نہ ہو توبہ اللہ تعالیٰ پرافتراء کے متر ادف ہے۔ قر آن کریم میں ہے:

﴿ قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْإِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللهِ عَيْرِ الْحَقِّ وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴾. ا

ترجمہ:"کہہ دومیرے ربنے صرف بے حیائی کی باتوں کو حرام کیا ہے خواہ وہ علانیہ ہوں یا پوشیدہ اور ہرگناہ کو اور ناحق کسی پر ظلم کرنے کو بھی اور بیہ کہ اللہ کا ایسی چیز کو شریک کروجس کی اس نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی اور بیہ کہ اللہ پروہ باتیں کہوجو تم نہیں جانتے"۔

دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہے:

﴿ وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هَذَا حَلَالٌ وَهَذَا حَرَامٌ لِيَقْتَرُوا عَلَى اللهِ المُلْمُولِي المِلْمُولِيَّ اللهِ اللهِ اللهِ المِلْمُلْمُ اللهِ اللهِ اللهِ المُلْمُلْمُلْم

ترجمہ:"اور اپنی زبانوں سے جھوٹ بنا کرنہ کہو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام تا کہ اللّٰہ پر بہتان باند ھو، بے شک جو اللّٰہ پر بہتان باند ھتے ہیں اُن کا بھلانہ ہو گا"۔

اس پرید اشکال نہیں ہونا چاہئے کہ بات تو حدیث وروایت کی ہور ہی ہے اور اس کی نسبت حضور نبی اکرم مُلَّا اَلْیُوْم ہی کی جانب ہوتی ہے تواس میں "افتر اء علی اللّٰد" کا پہلو کہاں

ا سورة الأعراف، رقم الأية:٣٣.

٢ سورة النحل، رقم الآية: ١١٦.

ے۔

"صحیح مسلم" کی ایک قدیم ومفید شرح میں ہے:

ولاشك أن الكذب عمدا كله حرام إلا ما استثني و يتأكد تحريمه في الخبر على النبي صلى الله عليه وسلم لأنّه في الحقيقة كذب على الله جل وعلا لأنّ النبيّ صلى الله عليه وسلم لا ينطق عن الهوي إنّ هو إلاّ وحي يوحى و الجمهور على أن الكذبَ عليه صلى الله عليه و سلم مِن أعظم الكبائر.

ترجمہ: "بقینا جان ہو جھ کر ہر قتم جھوٹ حرام ہے سوائے ان امور کے جو مشتیٰ ہوں،
اور اس کا تحریم خاص طور پر اس صورت میں مزید مؤکد ہو جاتا ہے جب سے خبر نبی
اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ہو، کیونکہ حقیقت میں یہ اللہ عزوجل پر جھوٹ
باند ھنا ہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی خواہش سے بات نہیں کرتے، بلکہ جو
کچھوہ کہتے ہیں وہ وحی ہے جو ان پر نازل ہوتی ہے۔ جہور کی سے رائے ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بولناسب سے بڑی گناہوں میں سے ہے۔

ا مكمل اكمال الاكمال، ج١، ص١٧

نیز احادیث کا ایک حصہ وہ بھی ہے جن کو"حدیث قدسی"کہاجاتاہے،ان میں صراحت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کرکے کوئی بات نقل کی جاتی ہے،اب اگر غیر مستند طریقے سے ایسی کوئی روایت بیان کی جائے تواس میں اللہ تعالیٰ کی طرف صر یح نسبت بھی موجود ہوتی ہے۔

علامه بركوى رحمه الله فرماتے ہيں:

ومِن الافتراء على رسول الله صلّى الله عليه وسلّم أن يُحدّث عنه بغير علم.. ((اتّقوا الحديثَ عني إلّا ما علمتم)) الترمذي... ومنه تحديث كلّ ما سمع...١

ترجمہ: "نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھنے میں یہ بھی شامل ہے کہ ان کے بارے میں بغیر علم نے فرمایا:

بارے میں بغیر علم کے بات کی جائے، جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"میرے بارے میں بات کرنے سے بچو سوائے اس کے جو تم جانتے ہو "(ترمذی)۔

اور اس میں یہ بھی شامل ہے کہ جو بچھ سناجائے، اسے بغیر تحقیق کے بیان کیاجائے۔

علامہ ابن عساکر رحمہ اللہ نے ماہ رجب کی فضیلت سے متعلق بچھ روایات نقل فرمائی

ہیں، علامہ ابن البی شامہ مقدسی اس کوذکر کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

وَكنت أود أَن الْحَافِظ لَم يقل ذَلِك فَإِن فِيهِ تقريرا لما فِيهِ من الله على الله صلى الله على الله على عَلَيْهِ وَسلم بِحَدِيث يرى أَنه كذب وَلكنه جرى فِي ذَلِك على عَادة حَمَاعَة من أهل الْأَحَادِيث يتساهلون فِي أَحَادِيث فَضَائِل الْأَعُمَال

الطريقة المحمدية، ص٥٥٥.

تيسرى خرابي

تیسری خرابی ابتداع فی الدین ہے،جب کسی چیز پر شرعی دلیل قائم نہ ہو تواس کو شریعت کہناغیر دین کودین بناناہے جس کابدعت ہو ناواضح ہے۔

یادرہے کہ یہ خرابی جس طرح نئے تھم کے ثابت کرنے کی صورت میں پائی جاتی ہے یوں ہی نئی فضیلت ثابت کرنے کی صورت میں بھی متحقق ہوتی ہے جبکہ عمل کرتے وقت اس کے ثبوت کاغالب گمان واعتقادر کھاجائے۔

الباعث على انكار البدع والحوادث،فصل في مُخَالفَة صَلَاة الرغائب للشُّر ع،ج١،ص٥٧.

چو تھی خرابی

چوتھی خرابی تحریفِ دین ہے،اس طرح گنجائش دیدینے کی صورت میں آئے دن نت نئی باتیں دین کے نام وعنوان پر وجو دمیں آتی رہے گی جن کی وجہ سے دین کا حلیہ بالکل ہی بگڑ جائے گا۔

يانچوس خرابي

يانچوين خرابي حضور مُنْكَالِيَّائِمُ كَي طرف غير مستندبات نقل كرناہے۔

اتَّقُوا الحَدِيثَ عَنِّي إِلاَّ مَا عَلِمْتُمْ، فَمَنُ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأُ مَقُعَدَهُ مِنَ النَّارِ. مَقُعَدَهُ مِنَ النَّارِ. فَمَنَ النَّارِ فَمَا النَّارِ فَمَنَ النَّارِ فَمَنَ النَّارِ فَمَنَ النَّارِ فَمَا النَّارِ فَمَنَ عَلَيْ الْمَعْمَلُ مَا اللَّهُ الللَّهُ اللَّهُ اللَّهُ اللَّهُ اللَّهُ اللَّهُ اللَّهُ الللللْمُ اللللَّةُ اللَّهُ الللللْمُ اللللللْمُ الللللْمُ اللللْمُ اللَّهُ اللللللْمُ اللللللْمُ الللللْمُ اللللللْمُ اللللللِمُ الللللللللللِل

ا سنن الترمذي،ابواب تفسير القران،باب ما جاء في اللذي يفسر القران برأيه،ج٥،ص٩٠.

اپنی جلّہ جہنم میں بنالے، اور جو شخص قر آن کے بارے میں اپنی رائے سے پچھ کہے، وہ بھی اپنی جلّہ جہنم میں بنالے۔"'

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس کو روایت کرنے کے بعد خود ہی اس کو "حسن" قرار دیاہے۔

اس سے یہ اصولی ضابطہ بھی واضح ہوتا ہے کہ "اصل عدم قول ہے " یعنی اگر کسی چیز کے بارے میں یہ شک پیدا ہوجائے کہ یہ بات حضور مُثَا لِلَّا اِلَّمْ یا کسی اور نے کہی ہے یا نہیں؟ تو دیگر تمام افعال کی طرح یہاں بھی "نہ کہنا"اصل ہے جس کے لئے مستقل دلیل کی ضرورت نہیں ہے،جو شخص " کہنے "کا مدعی ہو،اس کے لئے تسلی بخش دلیل پیش کرناضروری ہے۔

بہر حال اس روایت میں "بغیر علم" کے کسی بات کو آپ مَنْ اللّٰیٰ ﷺ کی جانب سے روایت کرنے کی ممانعت فرمائی گئی ہے اور اس کے لئے "امر "کاصیغہ استعال فرمایا گیاہے جو اصلاً وجوب کے لئے آتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اس حد تک احتیاط کرناواجب ہے، پھریہ لفظ"علم "یقین اور غالب گمان دونوں کو شامل ہیں اور جس طرح دیگر شرعی احکام میں غالب گمان کھی تھے۔ عالیہ گمان کے ساتھ ملحق ہو تاہے، اسی طرح یہاں بھی ہے۔

ملاعلی قاری رحمه الله فرماتے ہیں:

والظاهر أن العلم هنا يشتمل الظن فإنهم إذا جوزوا الشهادة به مع أنها أضيق من الرواية اتفاقا فلأن تجوز به الرواية أولى، ويؤيده أنه يجوز في الرواية الاعتماد على الحط بخلاف الشهادة عند الجمهور.

ا مرقاة المفاتيح، كتاب العلم، ج١،ص٣٠٩.

ترجمہ:" ظاہر یہ ہے کہ یہاں علم سے مراد ظن بھی ہے، کیونکہ جب فقہاء نے گواہی دینے کو ظن کی بنیاد پر جائز قرار دیا ہے، حالانکہ اس کامعاملہ روایت کے مقابلے میں زیادہ سنگین ہے، تو ظن کی بنیاد پر روایت بطریق اولیٰ درست ہے۔ اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ روایت میں خط پر اعتماد کیا جا سکتا ہے، جبکہ گواہی میں یہ بات جہور کے نزدیک جائز نہیں ہے۔

حضرت شیخ عبد الحق محدث وہلوی رحمہ الله اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وقوله: (إلا ما علمتم) أي: بالظن الغالب أنه مني لئلا تقعوا في الكذب على. ا

ترجمہ: "حدیث کے الفاظ "الاماعلمتم" میں علم سے مراد غالب گمان ہے یعنی جب میری طرف سے کسی بات کاغالب گمان ہو تو نقل کرنادرست ہے تاکہ (بصورت دیگر) جھوٹ کاار تکاب نہ کر بیٹھو"۔

علامه امير اساعيل صنعاني رحمه الله فرماتے ہيں:

(اتقوا الحديث عني) أي التحديث (إلا ما علمتم) أي أنه عني، والمراد بالعلم: ما يشمل الظن لأنه غالب الأحاديث لا يخبر المخبر الا ومعه ظن أنها عنه - صلى الله عليه وسلم -، وقد ثبت الدليل على العمل بمعناها، وهو فرع روايتها وقبولها.

لمعات التنقيح، كتاب العلم، الفصل الثاني، ج١،ص٥٠٠.

٢ التنويرالمقدمة،حرف الباء،ج١،ص٣٣١.

ترجمہ: "لینی حدیث نقل کرنے میں احتیاط برتو،) إلا ماعلمتم (لیعنی سوائے اس کے جو متہمیں علم ہو کہ وہ واقعی میری طرف سے ہے۔ یہاں علم سے مراد وہ علم ہے جو ظن کو بھی شامل ہو، کیونکہ بیشتر احادیث میں راوی گمان کے مطابق میہ بات کہتا ہے کہ میہ حدیث نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل ہے۔ اور اس کا مفہوم میہ ثابت ہے کہ اس پر عمل کیا جائے، یعنی جب حدیث نقل کی جائے تو اس کا صحیح ہونا اور اسے قبول کرنا ضروری ہے "۔

محدث ابو العباس قرطبی" اختصار مسلم" کی شرح میں ایک حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں:

ويفيد الحديث: التحذير عن أن يحدِّث أحدٌ عن رسول الله - صلى الله عليه وسلم - إلا بها تحقق صدقة علمًا أو ظنَّا، إلا أن يحدّث بذلك على جهة إظهار الكذب؛ فإنه لا يتناوَلُهُ الحديث. وفي كتاب الترمذيّ، عن ابن عباس - رضي الله عنها - عن النبي - صلى الله عليه وسلم - أنه قال: اتقوا الحديث عنّى إلا ما عَلِمتُم.

ترجمہ: "حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث نقل کرتے وقت کسی کو یہ احتیاط کرنی چاہیے کہ وہ صرف ایسی حدیث نقل کرے جس کی سچائی اسے علم یا ظن کی حد تک معلوم ہو۔ البتہ اگر کوئی شخص جان ہو جھ کر جھوٹ بول کر حدیث نقل کرے تو وہ اس حدیث کے دائرے میں نہیں آتا۔ اور ترفدی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
"میرے بارے میں بات کرنے سے بچو سوائے اس کے جو تم جانتے ہو"۔

اللفهم، مقدمة، باب، ج١، ص١١٦.

بعض دیگرائمه محدثین کی تصریحات

محدث ابوعبد الله الحاكم كي كتاب" المدخل" ميں ہے:

وَقَائِلُ هَذَا يَخُوضُ فِيهَا لَيْسَ مِنْ صِنَاعَتِهِ فَقَدُ أَجْمَعَ الْمُسْلِمُونَ قَاطِبَةً بِلَا خلاف بَيْنَهُمُ أَنَّهُ لَا يَجُوزُ الإحْتِجَاجُ فِي أَحْكَامِ الشَّرِ يعَةِ إِلَّا بِحَدِيثِ الصَّدُوقِ الْعَاقِلِ. الْمَحَدِيثِ الصَّدُوقِ الْعَاقِلِ. الْمَحَدِيثِ الصَّدُوقِ الْعَاقِلِ. الْمَحَدِيثِ الصَّدُوقِ الْعَاقِلِ. الْمَحَدِيثِ الصَّدُوقِ الْعَاقِلِ. الْمَحْدِيثِ الصَّدُوقِ الْعَاقِلِ. الْمَحْدِيثِ الصَّدُوقِ الْعَاقِلِ. الْمَحْدِيثِ الْمَحْدِيثِ الْمَحْدِيثِ الْمَحْدِيثِ الْمَحْدِيثِ الْمَحْدِيثِ الْمَحْدِيثِ الْمَحْدِيثِ الْمُحْدِيثِ الْمِحْدِيثِ الْمُحْدِيثِ الْمُحْدِيثِ الْمُحْدِيثِ الْمِحْدُولِ الْمُحْدِيثِ الْمُحْدِيثِ الْمُحْدِيثِ الْمُعْدِيثِ الْمُحْدِيثِ الْمُحْدِيث

ترجمہ:" تمام مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ کسی بھی شرعی حکم میں استدلال صرف ایسے حدیث سے کیا جا سکتا ہے جو صدق و امانت والی، عقلمند اور قابل اعتماد شخصیت سے نقل کی گئی ہو"۔

حضرت خطیب بغدادی رحمہ اللّٰہ نے اپنی سند کے ساتھ شیخ محمہ بن کی ذبلی رحمہ اللّٰہ کا قول نقل کیاہے کہ:

«ولَا يَجُوزُ الإِحْتِجَاجُ إِلَّا بِالْحَدِيثِ الْمُوصَلِ غَيْرِ الْمُنْقَطِعِ ٱلنَّذِي لَيْسَ فِيهِ رَجُلٌ مَجُورٌ اللَّذِي لَيْسَ فِيهِ رَجُلٌ مَجُهُولٌ وَلَا رَجُلٌ مَجُرُوحٌ»

ترجمہ:"کسی بھی شرعی تھم میں استدلال صرف اس حدیث سے کیا جاسکتا ہے جو مکمل طور پر متصل ہو (لیعنی اس میں ہر راوی کی سند آ لیس میں جڑی ہو کی ہو) اور جو منقطع نہ ہو (لیعنی اس میں کسی راوی کی کی نہ ہو)، اور اس میں کوئی ایبا شخص شامل نہ ہو جو مشہور نہ ہو (مجمول) یا جس پر کسی قسم کا طعن نہ ہو (مجروح) ۔

اس کے متصل بعد شیخ یکی بن مجمد کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اللدخل إلى كتاب الإكليل،ذكر انواع الجرح والمجرحون علي عشرة طبقات،ج١٠ص٣٠.

﴿ لَا يَثُبُتُ الْخَبَرُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَى يَرُوِيهُ ثِقَةٌ عَنُ ثِقَةٍ أَحَتَّى يَتَنَاهَى الْخَبَرُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهَذِهِ الصّفةِ أَوَلَا يَكُونُ فِيهِمْ رَجُلٌ بَحُهُولٌ أَوَلَا رَجُلٌ مَحُرُوحٌ أَفَإِذَا ثَبَتَ الْحَبُرُ عَنِ وَلَا يَكُونُ فِيهِمْ رَجُلٌ بَحُهُولٌ أَوَلَا رَجُلٌ مَحُرُوحٌ أَفَإِذَا ثَبَتَ الْحَبُرُ عَنِ وَلَا يَكُونُ فِيهِمْ رَجُلٌ مَحُهُولٌ أَوَلَا رَجُلٌ مَحُرُوحٌ أَفَإِذَا ثَبَتَ الْحَبُرُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهَذِهِ الصَّفَةِ وَجَبَ قَبُولُهُ وَالْعَمَلُ بِهِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهَذِهِ الصَّفَةِ وَجَبَ قَبُولُهُ وَالْعَمَلُ بِهِ وَتَرَكُ مُخَالَفَتِهِ». المُعَمَلُ فَالْعَمَلُ اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْهِ وَسُلَّمَ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْهِ وَسَلَّمُ عَلَيْهِ عَلَيْهِ عَلَيْهِ عَلَيْهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْهِ عَلَيْهُ وَالْعَمَلُ بِهِ عَلَيْهِ عَلَيْهُ عَلَيْهُ وَالْعَمَلُ فَا لَعُمَّا عَمَلُ فَا لَعُمَالَ عَلَيْهُ وَالْعَمَلُ عَلَيْهِ عَلَيْهُ عَلَيْهُ وَلَا عَمَلُ لَهُ اللهُ اللَّهُ عَلَيْهُ وَالْعَمَلُ عَلَيْهِ عَلَيْهُ عَلَيْهِ عَلَيْهِ عَلَيْهُ لَا عَلَيْهِ عَلَيْهِ عَلَيْهُ وَالْعَمَلُ عَلَيْهِ عَلْمَا لَعَلَيْهِ عَلَيْهِ عَلَيْهِ عَلَيْهِ عَلَيْهِ عَلَيْهِ عَلَيْهِ عَلَيْهُ عَلَيْهِ عَلَيْهُ عَلَيْهِ عَلَيْهُ عَلَيْهِ عَلَيْهِ عَلَيْهِ عَلَيْهِ عَلَيْهِ عَلَيْهِ عَلَيْهِ عَلَيْهِ عَلَيْهِ عَل

ترجمہ:"نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بھی خبر اس وقت تک ثابت نہیں ہوسکتی جب تک وہ معتبر راوی سے معتبر راوی تک نہ پہنچے، اور اس خبر کی سلسلے کی ہر کڑی صحیح ہو (یعنی سند مکمل ہو)۔ اس میں کوئی راوی ایسا نہیں ہونا چاہیے جو مشہور نہ ہو (مجسول) یا جس پر اعتراض ہو (مجروح)۔ جب خبر اس معیار پر پوری اترے، تواس کو قبول کرنا اور اس پر عمل کرناضر وری ہے، اور اس کی مخالفت ترک کرنی چاہیے۔

"تدریب الراوی" میں ہے:

أجمع الجماهير من أئمة الحديث والفقه) على (أنه يشترط فيه) ، أي من يحتج بروايته، (أن يكون عدلا ضابطا) لما يرويه.وفسر العدل (بأن يكون مسلما بالغا عاقلا) ... (سليما من أسباب الفسق وخوارم المروءة) ..قال تعالى: ﴿ياأيها الذين آمنوا إن جاءكم فاسق بنبا فتبينوا وقال: ﴿وأشهدوا ذوي عدل منكم ﴾. وفي الحديث: «لا تأخذوا العلم إلا ممن تقبلوا شهادته» .. وروي أيضا من طرق

ا الكفاية في علم الرواية،مُعْرِفَةُ الْخَبَرِ الْمُتَّصِلِ الْمُوجِبِ لِلْقَبُولِ وَالْعَمَلِ،ج١٠ص٢٠.

الشعبي، عن ابن عمر، عن عمر، قال: «كان يأمرنا أن لا نأخذ إلا عن ثقة». ا

ترجمہ: "جمہور فقہاء اور محدثین کا اس بات پر اجماع ہے کہ جس شخص کی روایت پر استدلال کیاجائے،اس کے بارے میں بیہ شر ائط ضروری ہیں:

وہ نیکو کاراور حدیث نقل کرنے میں ضبط والا ہو، لینی اس کی شخصیت میں کوئی اخلاقی یا دینی خرابی نہ ہو۔عادل ہونے کی تعریف میں بیہ شامل ہے کہ وہ مسلمان، بالغ، اور عقل مند ہو، اور اس میں فسق (دینی خرابی) یا مروت کے خراب ہونے کی کوئی علامات نہ ہوں۔

الله تعالى كاار شاد گراى ہے ﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءً كُمْ فَاسِ تَّ بِمْبَالِقَنَدَيُّوَا ﴾ (اگر كو فَى فاس تَمْهَارے پاس خبر لے كر آئے تواس كى تحقيق كرو) اور فرمايا: ﴿ وَا أَشُ هِدُوا ذَوِي عَدْلٍ مِسْكُمْ ﴾ (تم اپنے در ميان انصاف والے لو گول كو گواه بناؤ)۔ اور نبى صلى الله عليه وسلم نے فرمايا: علم صرف اس سے حاصل كروجس كى گواہى تم قبول كرتے ہو۔

نیز امام شعبی گنے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہماسے روایت کی ہے کہ عمر رضی اللہ عنہماسے روایت کی ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "ہمیں حکم دیا گیا تھا کہ ہم صرف ثقہ (معتبر) شخص سے ہی علم لیں "۔

غالب مگان سے کم تر درجه کا اعتبار نہیں

اس بات پر بھی تمام اہل علم کا تقریباً اتفاق ہی ہے کہ دین کے بارے میں یقین یا غالب گمان ہی کا اعتبار ہے، غالب گمان سے کم تر درجہ شک اور پھر وہم کا ہوتا ہے، ان

ا تدريب الراوي،النوع الثالث والعشرون،ج١،ص٩٥٩.

دونوں کا پہاں اعتبار نہیں۔ لہذا اگر کسی بات کے دین میں سے ہونے پر کوئی الی دلیل قائم ہے جویقین یا کم از کم غالب گمان کا موجب ہو تووہ اپنی دلیل کی قوت کے مطابق دین کا حصہ قرار پائے گااور جس چیز سے نہ یقین کا فائدہ حاصل ہو اور نہ ہی غالب گمان کا ، اس کو اگر "دلیل "کانام دیا بھی جائے ، تو بھی اس کی بنیاد پر کسی چیز کو دین کا حصہ تھہر انااور اس طور پر دین کی جانب اس کو منسوب کرنا درست نہیں۔

ارشاد خداوندی ہے:

﴿ وَلَا تَقُفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ ـ وَالْفُؤَادَ كُلُّ ا أُولَئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا ﴾ [الإسراء: ٣٦]

ترجمہ:"اور جس بات کی تجھے خبر نہیں اس کے پیچھے نہ پڑ، بے شک کان اور آ نکھ اور دل ہر ایک سے بازیر س ہو گی"

علامه قرافی رحمه الله فرماتے ہیں:

قاعدة: الأصل ألا تبنى الأحكام إلا على العلم لقوله تعالى ﴿ولا تقف ما ليس لك به علم ﴾ لكن دعت الضرورة للعمل بالظن لتعذر العلم في أكثر الصور فتثبت عليه الأحكام لندرة خطئه وغلبة إصابته والغالب لا يترك للنادر وبقي الشك غير معتبر إجماعاً. ١

ترجمہ: "ضابطہ یہ ہے کہ احکام کو صرف علم (یقین) پر مبنی ہونا چاہئے، جیسا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿ اور جس چیز کا تجھے علم نہ ہو، اس کے پیچھے نہ پڑ ﴾، لیکن ضرورت کے تحت بعض او قات ظن پر عمل کرنا پڑتا ہے کیونکہ کئی صور توں میں یقین حاصل کرنا مشکل ہوتا ہے۔ اس لئے احکام ظن پر قائم کیے جاتے ہیں، کیونکہ اس میں غلطی کا

ا الذحيرة للقرافي، كتاب الطهارة،الباب الاول في الطهارة، ج١٧٥٠٠٠.

امکان کم اور صحیح ہونے کا امکان زیادہ ہوتا ہے۔ اور عام طور پر غالب امکان کو نادر کے مقابلے میں ترک نہیں کیا جاتا۔ اس کے علاوہ، شک کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی، اور اس پر اجماع ہے۔"

اس عبارت کے آخری جملہ میں اس بات کی صراحت ہے کہ شک کامعتبر نہ ہونا اجماعی مسکلہ ہے۔

امام سمس الائمه سر خسی رحمه الله حضرت فاطمه بنت قیس کی روایت پر کلام کرتے ہوئے اپنے "اصول" میں تحریر فرماتے ہیں:

فَإِن قيل هَذَا إِشَارَة إِلَى غير مَا أَشَارَ إِلَيْهِ عمر فَإِنَّهُ لريقل لا نقبل حَدِيثها لعلمنا أَنَّهَا أوهمت وَلَكِن قَالَ لا نَدع كتاب رَبنَا لأَنا لا نَدْرِي أصدقت أم كنبت. قُلْنَا فِي قَوله لا نَدْرِي إِشَارَة إِلَى هَذَا الْمُعْنى فَإِن قَبُول الرِّوليَة وَالْعَمَل بِهِ يبتني على ظُهُور رُجُحَان جَلنب الصدق وَهُو بَين أَنه لريظُهر رُجُحَان جَلنب الصدق فِي رِوايتها والرأي يدل على خلاف رِوايتها فنترك رِوايتها ونعمل بِالْقِياسِ والرأي يدل على خلاف رِوايتها فنترك رِوايتها ونعمل بِالْقِياسِ الصَّعِيح وَفِي المُعْنى لا فرق بَين هَذَا وَبَين قَوله لا نقبل رِوايتها بِمَنْزِلَة القَاضِي يرد شَهَادَة الْفَاسِق بقوله لئتِ بِشَاهِد آخر لئتِ بِحَجَّة. اللهُ ال

ترجمہ:"" اگر کہا جائے کہ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اُس قول کی طرف اشارہ نہیں ہے جس کی طرف اُس نے اشارہ کیا، کیونکہ اُس نے یہ نہیں کہا کہ: ہم اس کی

ا أصول السرخسي،فصل في أُقسَام الروَاة الَّذين يكون خبرهم حجَّة، ج اص ٢٤٤.

حدیث کو نہیں قبول کریں گے کیونکہ ہمیں معلوم ہے کہ اس نے غلط فہمی پیدائی ہے،

بلکہ اُس نے کہا کہ: ہم اپنی کتاب کو نہیں چھوڑیں گے کیونکہ ہمیں نہیں معلوم کہ وہ چچ

بول رہی ہے یا جھوٹ۔ اس کاجواب ہیہ ہے کہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس

ارشاد میں اہم نہیں جانتے اسے مرادیہی ہے کیونکہ روایت کے قبول کرنے اور اس پر

عمل کرنے کا دارومدار اس پر ہے کہ صدافت کا پہلو کتنا غالب نظر آتا ہے۔ یہاں

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ ظاہر کیا کہ اس کی روایت میں صدافت کا پہلو غالب

نہیں تھا، اور اس کی روایت کے بر عکس رائے ہے، لہذاہم اس کی روایت کو چھوڑ دیتے

بیں اور صحیح قیاس پر عمل کرتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد میں

ادراس ارشاد میں کہ اہم اس کی روایت کو قبول نہیں کرتے اکے در میان کوئی فرق

نہیں، جیسے قاضی فاسق کی گواہی رد کرتے ہوئے کہتا ہے کہ: دوسرے گواہ لے آئیا

دلیل بیش کرو۔ "

اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ جہاں کسی روایت میں صدق و ثبوت کا جانب غالب وراج ثابت نہ ہو،اس وقت اس پر عمل کرنا درست نہیں، اور ظاہر ہے کہ حدیث ضعیف کا یہی حال ہو تاہے۔

امام ترمذى رحمه الله اس مسله كے ضمن ميں كه: "حضرات محدثين نے دين كى حفاظت وصيانت جيسے مقاصدكے لئے مختلف راويوں پركلام فرماياہے"، فرماتے ہيں:

لأنّ الشّهادة في الدّين أحقّ أن يُتثبّت فيها مِن الشّهادة في الحقوق والأموال.

ا سنن الترمذي ت بشار، ج٦ص٢٣٤

ترجمہ:"" کیونکہ دین میں گواہی کی جانچ پڑتال اور تصدیق حقوق اور اموال کی گواہی سے زیادہ ضروری ہے۔"

تعامل سلف

اکابر ائمہ حدیث کا اس حوالہ سے تعامل کیاتھا؟ اس کا پچھ اندازہ ایک واقعہ سے لگایاجاسکتاہے، امام ترمذی رحمہ اللہ اپنی سند کے ساتھ تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت امام زہری رحمہ اللہ نے شیخ اسحاق بن عبد اللہ بن ابی فروہ کو (متعدد باتوں میں)بار بار" قال رسول اللہ" کتے ہوئے ساتو فرما با:

قاتلك الله يا ابن أبي فروة تجيئنا بأحاديث ليس لها خطم ولا أزمة. ا

ترجمہ:"اے ابن ابی فروہ!" اللہ تجھے ہلاک کرے، تم ہمارے سامنے الی حدیثیں لاتے ہوجن کانہ کوئی آغازہے اور نہ کوئی اختتام۔"

"مصابیج" کے قدیم شارح علامہ مظہری رحمہ اللہ اس قصہ کو نقل کرنے کے بعد وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

يعني: كل حديث ليس له إسناد كجمل ليس له زمامٌ وليس له مالك مُعيَّنٌ ضالٍ في البادية، وقد جاء الحديثُ بالنهي عن أخذ الجمل الضالِّ في البادية، فكذلك الحديث إذا لريكن مرويًا عن رسول الله - عليه السلام - بإسناد صحيح، أو لريكن مكتوبًا في كتاب صنفه إمامٌ معتبر لريجز قَبولُ ذلك الحديث، لأن النبي - عليه

ا شرح علل الترمذي، كتاب العلل، المرسل، ج١، ص٢٩٠٠.

السلام - قال: "اتقوا الحديثَ منِّي إلا ما علمتُم، فمَنْ كذبَ عليَّ متعمِّدًا، فليتبَّوأُ مقعدَهُ من النار".

فقد قيَّد - عليه السلام - رواية الحديث عنه بالعلم، وكلُّ حديث ليس له إسنادٌ، ولا هو منقولٌ في كتاب مصنفه معتبر، لا تُعلَم روايةُ ذلك الحديث عن رسول الله عليه السلام، وإذا لر تُعلَم روايتُهُ عن رسول الله عليه السلام، فلا يجوز قَبولُهُ. ا

ترجمہ: "ہر وہ حدیث جو کسی صحیح سند سے ثابت نہیں ہے، وہ اسی بے مہاراونٹ کی طرح ہے جو بے راہ ہے جس کانہ کوئی لگام ہے نہ کوئی مالک جو کسی صحراء میں بٹھکاہوا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ اگم شدہ اونٹ اکو لے جانا منع ہے، اسی طرح جو حدیث بی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح سند کے بغیر مروی ہویا جسے کسی معتبر امام نے مرتب کر دہ کتاب میں نہیں لکھاہو، اس حدیث کو قبول کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مجھ سے حدیث بیان کرتے وقت احتیاط کرو، سوائے اس کے جو تم جانتے ہو، جو شخص جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ بولے، وہ اپنا ٹھکانہ دوز خ میں بنالے۔ "

یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حدیث کو علم کے ساتھ مشروط کیا ہے، اور ہر وہ حدیث جس کا کوئی سند نہ ہویا جس کا نقل کسی معتبر کتاب میں نہ ہو،اس کی روایت کا علم نہیں ہو تا۔اور جب اس کی روایت کا علم نہیں ہو تا۔اور جب اس کی روایت کا علم نہ ہو، تواس کو قبول کرنا جائز نہیں۔"

اللفاتيح في شرح المصابيح، مقدمة المؤلف، ج١، ص٤٠

امام ترمذی رحمہ الله کا مختر جو "علل صغریٰ" یا "علل صغیر " کے نام سے مشہور ہے جو در حقیقت "سنن ترمذی " کے مقدمہ کی حیثیت رکھتی ہے، اس میں وہ تحریر فرماتے ہیں:

قال أحمد، وحد ثنا أبو و هب قال: سهوا لعبد الله بن المبارك رجلا يہم في الحدیث فقال لان أقطع الطریق أحب إلى أن أحدث عنه الله بن ترجمہ: "حضرت امام احمد فرماتے ہیں کہ: ہمیں ابو و هب نے بتایا کہ عبد الله بن المبارک کے سامنے کسی ایسے شخص کا تذکرہ ہواجو حدیث بیان کرنے میں غلطی کرتا المبارک کے سامنے کسی ایسے فرمایا: الجھے اس سے حدیث نقل کرنے مقابلے میں ڈاکو بنا پہند ہے "۔

حضرت امام عبد الله بن مبارک رحمه الله کامیه جمله کتنائی معنی خیز ہے! اگر کوئی راوی نقلِ حدیث میں "وہم "کاشکار ہو تاہے تواس کی حدیث موضوع نہیں قرار پاتی لیکن اس کے باوجود امام موصوف اس سے اس قدر اجتناب واحتیاط فرماتے ہیں کہ اس کی بنسبت "قطع طریق" جیسے اتفاقی گناہ تک کو گوارا کرتے ہیں۔

"تدریب الراوی" میں ہے:

روى الشافعي وغيره، عن يحيى بن سعيد، قال: سألت ابنا لعبد الله بن عمر، عن مسألة، فلم يقل فيها شيئا، فقيل له: إنا لنعظم أن يكون مثلك ابن إمامي هدى تسأل عن أمر ليس عندك فيه علم، فقال: أعظم والله من ذلك عند الله وعند من عرف الله وعند من عقل عن الله أن أقول بها ليس لي فيه علم، أخبر عن غير ثقة. قال

ا سنن الترمذي ت بشار، ج٦ص٢٣٥.

مکتبۃ البشری کے نسخہ میں یہ رسالہ کتاب کے شروع میں درج ہے (ملاحظہ فرمائیں:ج اص۲۷)

الشافعي: وقال سعد بن إبراهيم: لا يحدث، عن النبي - صلى الله عليه وسلم - إلا الثقات، أسنده مسلم في مقدمة الصحيح. وأسند عن لبن سيرين: إن هذا العلم دين، فلنظروا عمن تأخذون دينكم. وروى البيهقي، عن النخعي قال: كانوا إذا أتوا الرجل ليأخذوا عنه، نظروا إلى سمته، وإلى صلاته، وإلى حاله، ثم يأخذون عنه.

ترجمہ: "حضرت امام شافعی اور دیگر علماء نے یخی بن سعید سے روایت کی کہ انہوں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بیٹے سے ایک مسئلہ بو چھا، تواس نے اس میں پچھ نہیں کہا۔ پھر اسے کہا گیا: ہم یہ بہت برا سبچھتے ہیں کہ آپ جیسے امام ہدایت کے بیٹے سے یہ سوال کیا جائے اور آپ کے پاس اس کا علم نہیں ہے۔ 'تواس نے کہا: 'اللہ کے نزدیک اور جو اللہ کو جانتا ہے اور جو اللہ کی باتوں کو سبجھتا ہے، اس سے زیادہ خطر ناک یہ بات ہے کہ میں ایسی بات کہوں جس کا مجھے علم نہ ہو اور میں غیر معتمد راوی سے حدیث نقل کروں۔ '

حضرت امام شافعی فرماتے ہیں کہ: سعد بن ابراہیم نے فرمایا: انبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث صرف ثقہ افراد سے ہی روایت کی جائے۔ اس کو مسلم نے اپنی صحیح کے مقدمہ میں ذکر کیا۔ نیز امام ابن سیرین ؓ سے نقل کرتے ہیں کہ: ایہ علم دین ہے، تو دیکھو کہ تم اپنادین کس سے لیتے ہو۔ ا

ا تدريب الراوي،النوع الثالث والعشرون،الثانية بم تثبت عدالة الراوي، ج١،ص٣٥٦.

امام بیریقی ؓ نے امام النخعی سے نقل کیاہے کہ: 'جب لوگ کسی سے علم لینے کے لیے جاتے تھے تھے، پھر جاتے تھے وہ اس کے ظاہر ی حالت، نماز، اور اس کی مجموعی حالت کودیکھتے تھے، پھر اس سے علم لیتے تھے (روایت نقل کرتے تھے)۔

یہاں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبز ادبے ، سعد ابن ابر اہیم ، امام ابن سیرین اور امام نخعی (رحمہم اللہ) کے اقوال سے واضح ہو جاتا ہے کہ روایات کے باب میں ضعیف اور غیر ضعیف کا تمیز کرنا بہت ضروری اور توجہ طلب کام ہے۔

باب دوم:

- فصل اول: ضعیف احادیث پر عمل کرنے کے متعلق حضرات محدثین کرام کے تین مواقف،راجح قول اور جمہور کاموقف
 - ضعیف احادیث پر عمل کرنے کی شر ائط، ان کی توضیح اور اہمیت
 - "اعتقاد ثبوت" نه رکھنے کامفہوم اور ایک غلط فنہی کاازالہ
 - "احكام شرعيه" كامفهوم ومصداق
 - "احکام" کے بارے میں بعض اہل علم کی رائے
 - اندیشه کے وقت "بیان ضعف " کی اہمیت
 - ضعیف روایات پر بے قید عمل کرنے کی مضرتیں
 - متضاد عبارات كااصولى تجزيه وتوجيه
 - علامه دوانی کی توجیه پر بعض تحفظات کاازاله
 - جيت اور عمل كافرق
 - دونوں پہلوؤں کے فوائد ومفاسد کا تجزیاتی مقارنہ

باب دوم:

فصل اول:

ضعیف احادیث پر عمل کرنے کے متعلق حضرات محدثین کرام کے تین مواقف

ضعیف حدیث پر عمل کرنا کیساہے؟ اس کے متعلق حضرات محدثین کرام مجموعی طور پر تین آراء نقل فرماتے ہیں:

ا: مطلقاً اس پر عمل نہیں کیاجائے گا،چاہے وہ فضائل کاباب ہویا دیگر ابواب۔یہ موقف علامہ ابو بکر ابن العربی کا ہے اور امام بخاری اور امام مسلم وغیرہ ائمہ فن کی طرف بھی اس کی نسبت کی جاتی ہے۔

۲: جب اس کے علاوہ کوئی نص موجود نہ ہو تواس پر مطلقاً عمل کیا جائے گا۔ یہ موقف امام احمد رحمہ اللہ کی جانب منسوب ہے اور علامہ ابن حزم وغیرہ نے حنفیہ کی جانب بھی اس کی نسبت کی ہے۔ دکتور نور الدین عتر رحمہ اللہ وغیرہ نے اس کو امام احمد اور امام البوداؤد (صاحب سنن) کاموقف قرار دیاہے۔ ا

ساز ترغیب و تر ہیب اور فضائل اعمال کے باب میں حدیث ضعیف پر عمل کیا جائے گا
اور حلال و حرام کے باب میں اس پر عمل نہیں ہوگا، البتہ جن ابواب میں اس پر عمل
کیا جاتا ہے، ان میں بھی کچھ شر ائط ہیں جن کی رعایت رکھنا ضروری ہے۔ امام عبد الرحمن
بن مہدی وغیرہ ائمہ فن کے اقوال سے یہی واضح ہو تاہے اور عام محدثین کرام بھی یہی

ا ملاحظه جوال كى كتاب: منهج النقد في علوم الحديث، ص ٢٩١.

ذکر فرماتے ہیں۔ دکتور عتر مرحوم وغیرہ نے اس کوجمہور فقہاء و محدثین کاموقف قرار دیا ہے امام نووی وغیرہ متعدد حضرات نے اس پر اہل علم کا اتفاق بھی نقل فرمایا ہے۔ علامہ عبد الرحمن سخاوی رحمہ اللہ "القول البدیع" کے مقدمے میں تحریر فرماتے ہیں کہ ان کو ان کے شخ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی زبانی اور تحریری طور پر حدیث ضعیف سے متعلق یہی موقف ذکر فرمایا تھا۔

"مقدمه ابن الصلاح" ميس ب:

الثاني: يجوز عند أهل الحديث وغيرهم التساهل في الأسانيد ورواية ما سوى الموضوع من أنواع الأحاديث الضعيفة من غير اهتمام ببيان ضعفها فيها سوى صفات الله تعالى وأحكام الشريعة من الحلال والحرام وغيرها. وذلك كالمواعظ، والقصص، وفضائل الأعمال، وسائر فنون الترغيب والترهيب، وسائر ما لا تعلق له بالأحكام والعقائد. وبمن روينا عنه التنصيص على التساهل في نحو ذلك عبد الرحمن بن مهدي، وأحمد بن حنبل رضى الله عنها.

ترجمہ ": محدثین اور دیگر علماء کے نز دیک میہ جائز ہے کہ اسناد میں کچھ نرمی کی جائے اور موضوعات کے علاوہ دیگر قسم کی ضعیف احادیث کو اس کے ضعف کو واضح کیے بغیر نقل کیا جائے، بشر طیکہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفات اور شریعت کے احکام جیسے حلال و حرام سے متعلق نہ ہوں۔ یہ اس طرح کے احادیث جیسے مواعظ، واقعات، اعمال کے فضائل، ترغیب و تر ہیب کے دیگر طریقے اور وہ سب کچھ جو احکام یاعقا کہ سے متعلق فضائل، ترغیب و تر ہیب کے دیگر طریقے اور وہ سب کچھ جو احکام یاعقا کہ سے متعلق

ا منهج النقد في علوم الحديث، ٢٩٣٠.

معرفة أنواع علوم الحديث-ت عتر ،النوع الثاني والعشرون معرفة المقلوب،فصل، ج ١٠٣ .١٠٣

نہ ہومیں جائز ہے۔ اور اس طرح کی نرمی کے حوالے سے عبد الرحمن بن مہدی اور احمد بن حنبل رضی اللہ عنہماسے یہ بات مروی ہے کہ انہوں نے اس کی اجازت دی۔"

حافظ منمس الدین سخاوی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "القول البدیع" کے آخر میں ضعیف احادیث سے متعلق تین موقف نقل فرمائے ہیں جن کاحاصل ہے ہے کہ:

ا: امام نووی رحمہ اللہ وغیرہ کے نزدیک ترغیب و ترہیب اور فضائل میں ضعیف احادیث پر عمل کرنامستحب ہے، شرعی احکام میں جمت نہیں۔

۲: علامہ ابن العربی (ماکی) رحمہ اللہ کے نزدیک اس پر کسی صورت عمل نہیں کیاجائے گا۔ ا

اجن حضرات کی شخقیق کے مطابق حدیث ضعیف پر عمل کرنے اور اس کی بنیاد پر استحباب و فضیلت ثابت کرنا درست ہے، ان میں سے بیشتر حضرات علامہ ابن العربی رحمہ اللہ کی طرف اس قول کی نسبت درست تسلیم نہیں فرماتے، حضرت علامہ شخ محمہ عوامہ صاحب زید مجد ہم نے بھی "القول البدیع" کے حاشیہ میں یہ لکھ کر اس کو مشکوک تھہرایا کہ: "لا اُراہ یصی عنه" اور حدیث ضعیف سے متعلق جو مشتقل رسالہ تالیف فرمایا ہے، وہاں بھی اس مشکوک تھہرایا کہ: "لا اُراہ یصی عنه" پر تفصیلی گفتگو فرمائی، "تدریب الراوی" پر اپنی تعلیقات میں بھی اس امر کا اظہار فرمایا ہے (ملاحظہ ہو: تدریب الراوی، جسم ۲۵۰۰)۔ اس طرح بعض دیگر محققین کرام نے بھی علامہ ابن العربی رحمہ اللہ کی طرف اس قول کی نسبت کو مشکوک یاغیر ثابت قرار دیا ہے۔

اس ناکارہ کاخیال میہ ہے کہ یہ نسبت درست ہو یانہ ہو، موصوف نے اس بات کی صراحت فرمائی ہو یانہ، دونوں صور توں میں دیکھنے کی بات میہ ہے کہ بعض اہل علم کا یہ موقف رہاہے اور متعدد کتابوں میں ان کاموقف ذکر بھی کیا جاتا رہاہے ، نیز غور کیا جائے تو تیسر اقول بھی اپنے اصل واساس کے لحاظ سے اس قول کے قریب ترہے بلکہ شاید تیسر ہے قول کی بنیاد ہی یہی دوسر اقول ہے، چنا نچہ اس آخری قول کے مطابق جن شر اکط کے ساتھ عمل کرنے کی گنجائش دی جاتی ہے، ان شر اکط میں غور کرنے سے میہ بات اچھی طرح واضح ہوجاتی ہے، جس کی تفصیل پہلے گزر بھی ہے، ابن شر اکط میں غور کرنے سے میہ بات اچھی طرح واضح ہوجاتی ہے، جس کی تفصیل پہلے گزر بھی ہے، ابن شر اکا میں العربی رحمہ اللہ کی طرف نسبت مشکوک یا خلط بھی ہو، تب بھی اصل بحث پر پچھے زیادہ اثر نہیں پڑتا۔ اگر جیہ میہ نسبت علامہ سخاوی رحمہ اللہ نے اپنی دو کتابوں (القول البر کے اور فتح المغیث) میں کی ہے اور

س: مشر وط طور پر عمل کرنے کی گنجائش ہے۔ اس کے بعد اس تیسر ہے قول کی تفصیل ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وقد سمعت شيخنا مراراً يقول وكتبه لي بخطه أن شرائط العمل بالضعيف ثلاثة، الأول متفق عليه أن يكون الضعف غير شديد فيخرج من لنفرد من الكذليين والمتهمين بالكذب ومن فحش غلطه، الثاني أن يكون مندرجاً تحت أصل عام فيخرج ما يخترع بحيث لا يكون له أصلاً الثالث أن لا يعتقد عند العمل به ثبوته لئلا ينسب إلى النبي - صلى الله عليه وسلم - ما لم يقله قال والأخيران عن ابن السلام وعن صاحبه ابن دقيق العيد والأول نقل العلائي الإتفاق عليه، قلن وقد نقل عن الإمام أحمد لأنه يعمل بالضعيف إذا لم يوجد غيره ولم يكن ثم ما يعارضه وفي رواية عند ضعيف الحديث أحب إلينا من رأى الرجال وكذا ذكر ابن حزم أن شميع الحنفية مجمعون على أن مذهب أبي حنيفة - رحمه الله - أن ضعيف الحديث أولى عنده من الرأي والقياس وسئل أحمد يكون ببلد لا يوجد فيها إلا صاحب حديث لا يدري صحيحه من سقيمه وصاحب رأي فمن يسأل قال يسأل صاحب الحديث ولا يسأل

بعض دیگر معتمد اہل علم بھی اس کو نقل کرتے چلے آئے ہیں۔ نسبت غلط قرار دینے کی جو بنیاد ہے ،وہ بھی پچھ زیادہ قابل اعتاد نہیں ہے ،اس میں کوئی بعد کی بات نہیں ہے کہ ایک شخص سے دوایسی باتیں ثابت ہوں جو بظاہر مخالف د کھائی دیں ، اس کا ضابطہ یہی ہے کہ پہلے توجیہ و تاویل سے کام لیا جائے ، نہ ہو تو موقف کی تبدیلی پر محمول کیا جائے۔ صاحب الرأي ونقل أبو عبد الله بن مندة عن أبي داود صاحب السنن وهو من تلامذة الإمام أحمد أنه يخرج الإسناد الضعيف إذا لريجد في الباب غيره وأنه أقوى عنده من رأي الرجال

ترجمہ: میں نے بار بار اینے شیخ سے سناہے اور انہوں نے اپنے ہاتھ سے مجھے لکھا کہ ضعیف حدیث پر عمل کرنے کے لیے تین شر ائط ہیں: پہلی شر ط جو متفق علیہ ہے، وہ بیہ کہ ضعف شدید نہ ہو، تو اس میں وہ لوگ خارج ہوں گے جو جھوٹے ہوں یااس یر جھوٹ کاالزام ہویا جن کی غلطیاں بہت زیادہ ہوں۔ دوسری شرط یہ ہے کہ وہ کسی عام اصول کے تحت آتی ہو، تو اس سے وہ حدیثیں خارج ہو جائیں گی جو بالکل نئے خیالات پر مبنی ہوں اور جن کا کوئی اصل نہ ہو۔ تیسری شرط یہ ہے کہ جب اس پر عمل کیاجائے تو یہ عقیدہ نہ رکھاجائے کہ یہ حدیث قطعی طور پر ثابت ہے، تا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ایسی بات منسوب نہ کی جائے جو انہوں نے نہ کہی ہو۔ شیخ نے کہا کہ آخری دونوں شر ائط ابن سلام اور ان کے شاگر دابن دقیق العبید سے مروی ہیں، اور پہلی شرط یر علائی نے اجماع نقل کیا ہے۔ امام احمد ؓ سے مروی ہے کہ وہ ضعیف حدیث پر عمل کرتے ہیں اگر اس کے سوا کوئی اور حدیث نہ ہو اور نہ اس کے مخالف کوئی اور چیز ہو۔ ایک روایت میں ہے کہ ضعیف حدیث ہمارے نزدیک بندوں کے آراء سے زیادہ پیندیدہ ہے۔ابن حزم نے بھی ذکر کیا ہے کہ تمام حفیوں کا اجماع ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ضعیف حدیث رائے اور قیاس سے زیادہ راجح اور مقدم ہے۔ امام احمد سے یو چھا گیا کہ اگر کسی شہر میں صرف ایسا شخص موجو د ہوجو صحیح اور ضعیف حدیث میں فرق نہیں کریا تا اور وہاں رائے کے حامل بھی موجو د ہوں تو کس سے سوال کیاجائے؟ توانہوں نے فرمایا کہ سوال حدیث کے جاننے والے سے کیا جائے ، رائے والے سے نہیں۔ ابوعید اللہ بن مند ۃ نے ابو داو د صاحب السنن سے

نقل کیاہے، جوامام احمد کے شاگر دیتھ، کہ وہ ضعیف اسناد کو خارج کرتے تھے اگر اس باب میں اس کے سواکوئی اور نہیں ملتی تھی، اور ان کے نزدیک بیر رائے سے زیادہ مضبوط تھی۔"

اس تفصيل كوذكركرنے كے بعد تين مواقف كاخلاصه ذكركرتے ہوئے فرماتے ہيں: فيحصل أن في الضعيف ثلاثة مذاهب لا يعمل به مطلقاً، ويعمل به مطلقاً إذا لم يكن في الباب غيره، ثالثها هو الذي عليه الجمهور يعمل به في الفضائل دون الأحكام كها تقدم بشروطه.

ترجمہ:"" ضعیف حدیث کے بارے میں تین مذاہب ہیں: پہلی یہ کہ الی حدیث پر بالکل عمل نہیں کیا جائے گا۔ دوسری یہ کہ اگر اس باب میں کوئی اور حدیث نہ ہو تو اس پر مکمل طور پر عمل کیا جائے گا۔ اور تیسری یہ کہ جس پر زیادہ تر علماکا عمل ہے، کہ اس پر فضائل کے حوالے سے عمل کیا جاتا ہے، لیکن احکام میں نہیں، جیسا کہ اس کے شروط کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔"

یمی علامہ سخاوی رحمہ اللہ، اپنے شخ واستاذ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کے حوالے سے اپنی ایک دوسری مفید کتاب میں ان تین شر ائط کا خلاصہ ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

أَفَادَ شَيْخُنَا أَنَّ مَحَلَّ الْأَخِيرِ مِنْهَا حَيْثُ لَرْ يَكُنِ الضَّعْفُ شَدِيدًا، وَكَانَ مُنْدَرِجًا تَحْتَ أَصُلٍ عَامٍّ; حَيْثُ لَرَيَقُمْ عَلَى الْمُنْعِ مِنْهُ دَلِيلٌ أَخَصُّ مِنْ ذَلِكَ الْعُمُوم، وَلَرَّ يُعْتَقَدُ عِنْدَ الْعَمَل بِهِ ثُبُوتُهُ. '

القول البديع في الصلاة على الحبيب الشفيع، حاتمة، ج ١ص ٢٥٥.

أ فتح المغيث بشرح ألفية الحديث، المَقْلُوبُ، تَنْبِيهَاتٌ، ج١ص ٣٥١.

ترجمہ:" ہمارے شخ نے فرمایا کہ اس آخری قول کا محل ہیہ ہے جہاں ضعف شدید نہ ہو اور یہ کسی عام اصل میں شامل ہو؛ جہاں اس عام اصول کے خلاف اس پر عمل کرنے کا کوئی خاص دلیل نہ ہو، اور اس پر عمل کرتے وقت اس کی صحت کا یقین نہ ہو۔"

راجح قول اورجههور كاموقف

ضعیف احادیث کے ساتھ تعامل کے متعلق اہل علم کے مجموعی طور پر یہ تینوں موقف رہے ہیں، اس میں رائح قول کونساہے؟ دوسرے الفاظ میں اس کو یوں بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے کہ اس میں جمہور کا موقف کیا ہے؟ تو متعدد محقین نے اس بات کی صراحت فرمائی ہے کہ یہی تیسر اموقف ہی رائح ہے اور یہی جمہور کا موقف ہے۔ یہاں مثال کے طور پر چنداہل علم کی عبارات ذکر کی جاتی ہیں۔

علامہ سخاوی رحمہ اللہ کی تحقیق چند سطور پہلے ذکر کی جاچکی ہے، جس میں وہ تحریر فرماتے ہیں:

فيحصل أن في الضعيف ثلاثة مذاهب لا يعمل به مطلقاً، ويعمل به مطلقاً ويعمل به مطلقاً إذا لريكن في الباب غيره، ثالثها هو الذي عليه الجمهور يعمل به في الفضائل دون الأحكام كها تقدم بشر وطه.

ترجمہ:" خلاصہ یہ ہے کہ ضعیف حدیث کے بارے میں تین مذاہب ہیں: پہلا یہ کہ اس پر بالکل عمل نہیں کیا جائے گا، دوسرایہ کہ اگر اس باب میں اس کے علاوہ کوئی اور حدیث نہ ہو تو اس پر مکمل طور پر عمل کیا جاتا ہے، اور تیسرایہ کہ جس پر اکثر علاء کا عمل ہے، یعنی اس پر فضائل کے باب میں عمل کیا جاتا ہے نہ کہ احکام میں، جیسا کہ اس کے شر اکھا کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔"

_

القول البديع في الصلاة على الحبيب الشفيع، خاتمة، ج اص ٢٥٥.

علامه عبدالحي لكھنوى رحمه الله تحرير فرماتے ہيں:

منهم مَن منع العملَ بالضّعيف مطلقا وهو مذهب ضعيف، ومِنهم مَن جوّزه مطلقا وهو توسّع سخيف، ومِنهم مَن فصّل وقيّد وهو المسلك المسدّد.

ترجمہ:" بعض حضرات نے ضعیف حدیث پر مطلقاً عمل کرنے کو منع کیاہے، اور یہ ایک کمزور مکتبہ کارہے، وری ایک کمزور مکتبہ کارہے، کچھ نے اسے مطلقاً جائز قرار دیاہے، اور یہ ایک غیر ضروری وسعت ہے، اور کچھ نے تفصیل اور قید ذکر کی ہیں، اور یہی صحیح راستہ ہے۔"
علامہ محمد زاہد الکوش کی رحمہ اللہ، ایک صاحب کی تر دید کرتے ہوئے تحریر فرماتے

ېں:

يسترسل في بيان وجوه اختلاف العلماء في الأخذ بالحديث الضعيف ويتمسّك بأضعف الأراء فيه، فيهدم مصرا ليبني كوخا، مع أنّ الواجب هو التمسّك بالأقوى حجّة لا اتّباع أيّ رأي لأيّ قائل، فأعدل الأراء في الأخذ بالضّعيف وأقواها حجّة تقييد ذلك بشروط، قال السّخاوي في خاتمة القول البديع...

ترجمہ:" حدیث ضعیف پر عمل کرنے میں علماء کے اختلافات کی مختلف وجوہات کو تلا ش کرکے ان میں سے سب سے کمزور آراء کو اختیار کیاجا تاہے، جیسے کہ کوئی ایک شہر کو گراکر ایک جھو نیرٹری بناتا ہے، حالا نکہ صحیح بات یہ ہے کہ انسان کو سب سے مضبوط جمت والے رائے پر عمل کرناچا ہے، نہ کہ کسی بھی قائل کے رائے کی پیروی کرنا۔ تو ضعیف حدیث پر عمل کرنے کے حوالے سے سب سے بہتر اور سب سے زیادہ مضبوط

الأجوبة الفاضلة، ص٥٣.

رائے بیہ ہے کہ اس پر عمل کرنے کو مخصوص نثر اکط کے ساتھ مشر وط کیا جائے۔علامہ سخاوی نے "القول البدیع" کے آخر میں یہ بیان کیا۔"

اس سے معلوم ہوا کہ حدیث ضعیف کی جیت اور اس کی دائرہ کار کامسکہ ہویااس کے علاوہ علمی و تحقیقی مسائل، صرف اہل علم کے اقوال نقل کرنااور اسی پر اکتفاء کرنا، یاان میں سے کسی بھی قول کو اختیار کرناکسی طرح درست نہیں ہوتا، بلکہ صحیح منہج یہی ہے کہ رانج قول کو لیاجائے، یہ بھی صراحت ہے کہ حدیث ضعیف پر عمل کرنے کے بارے میں صحیح اور قوی قول وہی ہے جو حضرت حافظ ابن حجر صاحب رحمہ اللہ سے منقول ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مشروط طور پر اس پر عمل کیاجا سکتا ہے۔

اسی مضمون کے ضمن میں آپ نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ حدیث ضعیف پر عمل کرنے کو علی الاطلاق ممنوع قرار دینے والے اہل علم کون تھے؟ اور ان کے استدلال واحتجاج کا قدر ومرتبہ کیا ہے؟ فرماتے ہیں:

والمنع مِن الأخذ بالضّعيف على الإطلاق مذهبُ البخاري ومسلم وابن العربي كبير المالكية في عصره وأبي شامة المقدسي كبير الشّافعية في زمانه وابن حزم الظّاهري والشّوكاني ولهم بيان قويّ في المسألة لا يُهمل.

ترجمہ:"ضعیف حدیث پر مطلقاً عمل کرنے سے منع کرنا، یہ امام بخاری، امام مسلم، ابن العربی (مالکیہ کے بڑے عالم)، ابوشا، یہ المقدی (شافعیہ کے بڑے عالم اپنے زمانے میں)، ابن حزم ظاہری، اور شوکانی کا کی رائے ہے۔ ان لوگوں نے اس مسکلے پر ایک مضبوط موقف اختیار کیاہے جسے نظر انداز نہیں کیاجا سکتا۔"

ا مقالات الكوثري، كلمة حول الأحاديث الضّعيفة، ص٤٠.

_

د كتور محمود طحّان رحمه الله فرماتے ہیں:

اختلف العلماء في العمل بالحديث الضعيف، الذي عليه جمهور العلماء أنه يستحب العمل به في فضائل الأعمال، لكن بشروط ثلاثة، أوضحها الحافظ ابن حجر وهي: أ- أن يكون الضعف غير شديد. ب- أن يندرج الحديث تحت أصل معمول به. ج- ألا يعتقد عند العمل به ثبوته، بل يعتقد الاحتياط.

ترجمہ:" علما کے در میان ضعیف حدیث پر عمل کرنے کے بارے میں اختلاف ہے،جو اکثر علما کی رائے ہے وہ یہ ہے کہ: فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل کرنامتحب ہے، مگر اس کے لیے تین شر الطامیں، جن کی وضاحت حافظ ابن حجرنے کی ہے:

- ضعف شدیدنه هو۔
- حدیث کسی ایسے اصل کے تحت آتی ہوجو پہلے سے عمل میں ہو۔
- جب اس پر عمل کیا جائے تو اس کی صحت کا یقین نہ ہو، بلکہ احتیاط کی نیت ہو۔"

یہ تو مثال کے طور پر چند اہل علم کی عبارات ذکر کی گئیں ہیں، ورنہ یوں تو بہت سے محد ثین کرام نے صراحةً یاد لالةً اسی موقف کورا جج قرار دیا ہے۔ معاصر اہل علم میں سے بھی اکثر حضرات اسی موقف کورا جج مسلک کے طور پر ذکر کرتے ہیں، چنانچہ:

الف: عجم کے علماء میں سے برصغیر پاک وہند میں مولانا یونس جو نیوری رحمہ اللہ کا علوم حدیث کے ساتھ خصوصی تعلق رہاہے، مولانا محد زید مظاہری صاحب نے ان کی

ا تيسير مصطلح الحديث،مقدمة الطبعة العاشرة، ج١،ص٨١.

افادات پر مشمل کتاب "نوادر الحدیث "کے نام سے مرتب فرمائی ہے،اس میں ص ۱۲۲ تا ۱۲۷ یہی موقف ذکر ہے۔

ب: عرب اہلِ علم میں سے شیخ سید مجمد علوی مالکی مرحوم نے اپنی کتاب"المنہل الطیف فی اصول الحدیث الشریف"ص ۲۷ پر حدیث ضعیف پر عمل کرنے کے لئے یہی شر ائط ذکر فرمائے ہیں۔

ضعیف احادیث پر عمل کرنے کی شر ائط اور ان کی توضیح

عام محدثین فضائل کے باب میں حدیث ضعیف کے نقل کرنے اوراس پر عمل کرنے میں گنجائش کے قائل اوراس پر عامل ہیں، تاہم جیسا کہ اوپر تحریر کیا گیا، یہ گنجائش بے قید نہیں ہے بلکہ چند شر الط کے ساتھ مشر وط ہے جن کی رعایت رکھناضر وری ہے۔ وہ شر الط کتنے ، کیوں اور کون کو نسے ہیں ؟ ذیل میں ان تینوں باتوں کی بقدرِ ضر ورت تحقیق کی جاتی ہے، علامہ سخاوی رحمہ اللہ کی درج بالاعبارت میں صر احت ہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے درج ذیل تین شر الط ذکر فرمائے ہیں:

تنين شرائط

ا: ضعف شدید نہ ہو۔ ضعف شدید سے مرادیہ ہے کہ کسی روایت کے سندییں ایساراوی ہو جو حدیث کے معاملہ میں ایساراوی ہو جو حدیث کے معاملہ میں "فخش غلط"کا شکار ہو۔

۲:روایت میں جو مضمون بیان ہوا ہو،وہ کسی شرعی ضالطے اور اصل عام کے تحت داخل ہو،لہذا محض ضعیف روایت کی بنیاد پر کوئی نیاعمل اختراع کرنے کی گنجائش نہیں

<u>- ح</u>

سا: عمل کرتے ہوئے اس مضمون کے شرعی ثبوت کا اعتقاد نہ رکھا جائے۔

چو تقی شرط

٣: حافظ صاحب رحمہ اللہ نے اپنی ایک دوسری کتاب میں یہ شرط بھی ذکر فرمائی ہے کہ (عوام کے سامنے) اس کی تشہیر نہ کی جائے تاکہ یہ تشہیر کرناضعیف احادیث پر عمل کرنے کا سبب نہ بنے۔ فرماتے ہیں:

وينبغي مع ذلك اشتراط أن يعتقد العاملُ كونَ ذلك الحديث ضعيفا وأن لا يُشهّر ذلك لئلا يعمل المرء بِحديث ضعيف فيشرع ما ليس بشرع أو يراه بعضُ الجهّال فيظن أنّه سنّة صحيحة.

ترجمہ:"اس کے ساتھ بیہ شرط بھی ہونی چاہیے کہ جوشخص عمل کر رہاہو، وہ اس بات کا گفتین رکھے کہ بیہ حدیث ضعیف ہے اور اس بات کو مشہور نہ کرے تاکہ کوئی شخص ضعیف حدیث پر عمل کر کے ایساعمل نہ شروع کر دے جو شریعت کا حصہ نہیں ہے، یا کوئی جاہل اس کو صحیح سنت سمجھ کراہے صحیح سمجھے۔"

اس کے بعد لکھتے ہیں کہ اس مسکہ میں فضائل اور احکام کا کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ بیہ دونوں ہی شریعت کا حصہ ہیں ، فرماتے ہیں:

ولا فرق في العمل بالحديث في الأحكام أو الفضائل إذا الكلّ شرع.'

ترجمہ:" احکام یا فضائل میں حدیث پر عمل کرنے میں کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ دونوں ہی شریعت کے اجزاء ہیں۔"

ا تبيين العجب، ص ١٠.

بعض اہل علم کی بے اطمینانی اور اس کا ازالہ

جو اہل علم ضعیف حدیث کے متعلق توسیع و تسامح کے قائل ہیں،ان میں سے بہت سے حضرات اس شرط کے بارے میں بے اطمینانی کا مظاہرہ کرتے ہیں، ان کا کہنا ہے ہے کہ یہ شرط حضرت حافظ ابن حجر (رحمہ اللہ) کا ذاتی خیال ہے، متقد مین ائمہ فن سے بیہ منقول نہیں،اس میں حافظ صاحب کی اتباع کرنا کوئی ضروری نہیں۔ حالا نکہ اصولی لحاظ سے دیکھاجائے تو:

الف: حافظ صاحب رحمہ اللہ کی ذکر کردہ شرط بالکل درست، مفید اور معنی خیز ہے، اور حقیقت سے ہے کہ اس شرط کی رعایت رکھے بغیر اگر عام لوگوں کے سامنے بھی ضعیف حدیث اور اس کے مفہوم کی تشہیر کی جائے گی توجہور کے قول پر عمل نہیں ہوسکے گا، جمہور حضرات نے ضعیف حدیث پر عمل کرنے کے لئے جن شرائط کا ذکر فرمایاہے، ان کاحاصل یہی ہے کہ اس حدیث کو حضور نبی کریم مُنَّا اللَّٰا کَا اَس منسوب نہ کیا جائے بلکہ احتیاط واحمال کے درج میں اس کے مفہوم پر عمل کیا جائے جبکہ تشہیر کی صورت میں بات عوام کے حلقے تک جا بہنچی ہے اور ان کے بارے میں ان باتوں کی توقع رکھنا سراب خیال ہی ہے۔

ب: حافظ صاحب رحمہ اللہ خود اس فن کے ماہر اور شاور ہے، ان کی یہ بات بھی اصولی لحاظ سے بالکل درست ہے تواس کے بعد متقد مین کا اس شرط کو ذکر نہ کرنا مضر نہیں، یوں ہی اگر ہر بات کے درست ہونے نہ ہونے کا یہی معیار ومدار بنایا جائے توانجام کار ہر فن کے بہت سے مسلمات سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔ تاہم اس کے باوجو دصورتِ حال یہ ہے کہ یہ شرط لگانا حضرت حافظ صاحب رحمہ اللہ کا اختر اع وا یجاد نہیں بلکہ ان سے پہلے بھی بعض ائمہ فن کے ہاں اس کی اصل واساس مل جاتی ہے۔

مثال کے طور پر امام مسلم نیشا پوری رحمہ اللہ اپنے "صحیح مسلم" کے "مقدمہ" میں تحریر فرماتے ہیں:

وَإِنَّمَا أَلْزَمُوا أَنَفُسَهُمُ الْكَشُهُ عَنْ مَعَايِبِ رُوَاةِ الْحَلِيثِ، وَنَاقِلِي الْأَخْبَارِ، وَأَفْتُوا بِذَلِكَ حِينَ شُعِلُوا لِمَا فِيهِ مِنْ عَظِيمِ الْحَطْرِ، إِذِ الْأَخْبَارُ فِي أَمْرِ الدِّينِ إِنَّمَا تَأْتِي بِتَحْلِيلٍ، أَوْ تَحْرِيمٍ، أَوْ أَمْرٍ، أَوْ بَهْيٍ، أَوْ تَرْفِيبٍ، أَوْ تَرْهِيبٍ، فَإِذَا كَانَ الرَّاوِي لَمَا لَيْسَ بِمَعْدِنٍ لِلصِّدُقِ تَرْفِيبٍ، أَوْ تَرْهِيبٍ، فَإِذَا كَانَ الرَّاوِي لَمَا لَيْسَ بِمَعْدِنٍ لِلصِّدُقِ وَالْأَمَانَةِ، ثُمَّ أَقْدَمَ عَلَى الرِّوايَةِ عَنْهُ مَنْ قَدْ عَرَفَهُ، وَلَرْ يُبَيِّنُ مَا فِيهِ لِغَيْرِهِ مِنْ جَهِلَ مَعْرِفَتَهُ كَانَ آثِمًا بِفِعْلِهِ ذَلِكَ، غَاشًا لِعَوَامٌ اللَّسِلِمِينَ، إِذْ لَا يُؤْمَنُ عَلَى بَعْضِ مَنْ سَمِعَ تِلْكَ، غَاشًا لِعَوَامٌ اللَّسِلِمِينَ، إِذْ يَسْتَعْمِلَهَا، أَوْ أَكُثَرَهَا أَكَاذِيبُ لَا أَصُلَ لَمَا.

ترجمہ: "محدثین نے اپنے آپ پر حدیث کے راویوں اور بات پہنچانے والوں کے عیوب کو بے نقاب کر نالازم کیا، اور جب ان سے بوچھا گیاتواسی پر فتویٰ دیا، کیونکہ اس میں بہت بڑا خطرہ ہے، کیونکہ دین کے معاملات میں جو خبریں آتی ہیں وہ یاتو حلال و حرام کے متعلق ہوتی ہیں، یاکسی حکم یا منع کے بارے میں، یاتر غیب یاتر ہیب کے بارے میں۔ پس اگر راوی سچائی اور امانت کا مصدر نہ ہو، پھر اس سے روایت نقل کرنے والاجواس کو جانتا ہے اور اس کے عیب کو دو سرے لوگوں سے چھپاتا ہے، تووہ گنا ہگار ہوگا اور مسلمانوں کو دھو کہ دے رہا ہوگا، کیونکہ یہ ممکن ہے کہ جو شخص وہ خبریں سنے، ان کو استعال کرے، یا ان میں سے بعض کو استعال کرے، حالانکہ وہ زیادہ ترجموٹ ہوں، جن کاکوئی اصل نہیں ہو۔ "

ا صحيح مسلم،باب الكشف عن معايب رواة الحديث---ج١،ص٢٨.

یہ عبارت اس بات میں صر تے ہے کہ اگر کسی روایت کاراوی "صدق" و"امانت" کا حامل نہ ہو، کسی شخص کو یہ بات معلوم بھی ہو اور اس کے باوجود وہ ناواقف لو گوں کے سامنے ایسی روایت کو روایت کے طور پر نقل کر تارہے تو ایسا کرنا گناہ اور مسلمانوں کے ساتھ دھو کہ دہی کے متر ادف ہے کیونکہ ناواقف سننے والے ان روایات اوراس کے معانی ومفاہیم کو دین کا درجہ دیں گے جبکہ اس میں جھوٹ و بے اصل ہونے کا بھی اختال ہے۔ یہی بات حضرت حافظ ابن حجر رحمہ اللہ بھی کہناچاہتے ہیں۔

پانچویں شرط

حافظ ابن الصّلاح صاحب وغیرہ بعض محدثین نے مزیدیہ شرط بھی ذکر فرمائی ہے کہ جزم کے صیغہ کے ساتھ حضور مُثَالِیَّا کُمِ کی طرف اس کی نسبت نہ کی جائے بلکہ مجہول کا صیغہ استعال کیاجائے یاایسے لفظ کو استعال کرناچاہئے جس میں جزم کا پہلوغالب نہ ہو۔ "مقدمہ ابن الصلاح" میں ہے:

إذا أردت رواية الحديث الضعيف بغير إسناد فلا تقل فيه: "قال رسول الله صلى الله عليه وسلم كذا وكذا" وما أشبه هذا من الألفاظ الجازمة بأنه صلى الله عليه وسلم قال ذلك، وإنها تقول فيه: "روي عن رسول الله صلى الله عليه وسلم كذا وكذا، أو بلغنا عنه كذا وكذا، أو ورد عنه، أو جاء عنه، أو روى بعضهم "وما أشبه ذلك. وهكذا الحكم فيها تشك في صحته وضعفه.

ا مقدمة ابن الصلاح = معرفة أنواع علوم الحديث—ت عتر،النوع الثاني والعشرون معرفة المقلوب، فصل، ج١ص ١٠٣.

ترجمہ: "اگر آپ ضعیف حدیث کو بغیر اسناد کے بیان کرنا چاہیں تو آپ بیہ نہ کہیں:
ارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اور یہ فرمایا یا ایس کوئی بات جو اس بات کو قطعی
طور پر ثابت کرے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ، بلکہ آپ کہیں:
اروایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اور یہ فرمایا ، یا اہمیں اس کے
بارے میں پہنچا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ، یا اس کے بارے میں آیا
ہے ا، یا اس کا ذکر آیا ہے ا، یا کچھ لوگوں نے روایت کیا ہے اوغیرہ و اور یہی حکم ہے
جب ای اس کا ذکر آیا ہے ا، یا کچھ لوگوں نے روایت کیا ہے اوغیرہ و اور یہی حکم ہے
جب آپ کسی حدیث کی صحت اور ضعف میں شک رکھتے ہوں۔ "

ان شر ائط کی اہمیت وافادیت

حقیقت سیہ کہ محدثین کرام نے ضعیف احادیث پر عمل کرنے یا فضائل کے باب میں ان کو معتبر ماننے کے لئے یہ جو شر الط مقرر فرمائے ہیں، یہ بہت ہی اہمیت کے حامل اور نہایت معنی خیز ہے۔

ان شراکط پر غور کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ ان حضرات نے دونوں پہلوؤں (حدیث ضعیف کے ثابت ہونے اور نہ ہونے)کااس ڈھنگ سے خیال رکھاہے جس سے بہتر کوئی صورت شاید مشکل ہو۔ چنانچہ ایک طرف اس کے مقتضی پر عمل کرنے کی گنجائش بلکہ ترغیب دی جارہی ہے اور دوسری طرف اس کو شریعت کی طرف منسوب نہ سجھنے اور عوام میں اس کی تشہیر نہ کرنے کی شرط لگائی جارہی ہے تاکہ دین کی عمارت میں ایسی کوئی چیز داخل نہ ہونے پائے جس کے دین ہونے پر کوئی شرعی دلیل قائم نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ دونوں پہلوؤں کو جمع کرنے کی نہایت مختاط اور بہت ہی معقول و مناسب صورت ہے۔

ان شر الطرپر اچھی طرح غور کرنے سے وہ اشکال بھی ختم ہو جاتا ہے کہ جب ضعیف حدیث دلیلِ شرعی نہیں ہے تواس پر عمل کرنے کی گنجائش یا ترغیب کیوں دی جارہی ہے؟ شیخ نور الدین عتر مرحوم فرماتے ہیں:

وفي رأيي أن الناظر في شروط العمل بالحديث الضعيف يجد فيها ما ينفي الزعم بأنه إثبات شرع جديد، وذلك أنهم اشترطوا أن يكون مضمونه مندرجا تحت أصل شرعي عام من أصول الشريعة الثابتة، فأصل الشرعي العام، وجاء هذا الخبر الضعيف موافقا له.'

ترجمہ: "میرے خیال میں جو شخص ضعیف حدیث پر عمل کرنے کے شروط کا جائزہ کے، وہ اس میں یہ بات پائے گا کہ یہ دعویٰ کہ یہ کوئی نئی شریعت قائم کر تاہے، مستر د ہوجا تاہے، کیونکہ انہوں نے شرطر کھی ہے کہ اس کا مضمون کسی ثابت شرعی اصول کے تحت آنا چاہیے، تو اصل شریعت ثابت ہے اور اس ضعیف خبر کا مفہوم اس کے مطابق ہے۔"

مجوزین کے ہاں شر ائط کی رعایت

اس ناکارہ کا توبیہ خیال ہے کہ جن حضرات کے ہاں اس باب میں توسع کا ہونا مشہور ہے اور وہ عملی طور پر ضعیف احادیث کے ساتھ کافی حد تک اعتناءر کھتے ہیں، ان میں سے

ا منهج النقد في علوم الحليث اللباب الرابع: في علوم الحليث من حيث القبول أو الرد، الفصل الثاني: في الحديث المردود، ج أص ٢٩٤.

ا کثریت کے ہاں بھی یہ شر ائط ملحوظ ہوتے ہیں اور وہ اپنی حد تک ان شر ائط کی پابندی کرنے کی کوشش بھی کرتے ہیں۔ ا

مثال کے طور پر اس باب میں علامہ ابن حجر ہیتمی رحمہ الله کانام لیاجا تاہے اور متعدد اہل علم نے ان کی "شرح اربعین" کی عبارت کو اس باب میں استدلال کے طور پر نقل

ا یہ تو اس ناکارہ کا خیال ہی تھا جس کے مختلف قرائن وشواہد آسانی کے ساتھ ڈھونڈے اور تلاش کئے جاسکتے ہیں،
تاہم کتاب کی تبییض کے وقت علامہ امیر محمد بن اساعیل صنعانی رحمہ اللہ کی کتاب "تو ضیح الافکار" نظر سے گزری،
اس کے حاشیہ پر جابجاعلامہ شیخ محی الدین عبد الحمیدر حمہ اللہ کی کچھ مفید تعلیقات و تحقیقات بھی ہیں، زیر بحث مسئلہ
کے تحت ان کی تحقیق بھی اس کے قریب قریب سامنے آئی کہ متاخرین کی اصطلاح میں جس روایت کو ضعیف کہا
جاتا ہے وہ بالا تفاق قابل اخذ واستفادہ نہیں ہے ، اس باب میں جو نزاع ذکر کیا جاتا ہے ،وہ نزاع لفظی ہے ،
اور تر غیب و تر بہب یا فضائل اٹھال کے باب کا بھی بہی تحکم ہے ، فرماتے ہیں:

وفضائل الأعمال لا تخلو عن حكم أهونه الإباحة، وأي فرق بين حكم وحكم، ما دام معنى حكم المجتهد على شيء من الأشياء بحكم من الأحكام يتضمن حكماً ضمنياً على الله تعالى وعلى رسول الله صلوات الله وسلامه عليه بأنه يقتضي في هذا الموضوع بما يذهب إليه المجتهد، والذي ينقدح في ذهن العبد الضعيف أن الخلاف في هذه المسألة من نوع الخلاف اللفظي، وأن الجميع متفقون على أن لا يؤخذ في الفضائل والمواعظ إلا بالحديث الحسن وهو ما دون الصحيح في ضبط رواته فمن قال من العلماء كأحمد وابن مهدي يؤخذ بالحديث الضعيف في الفضائل أراد بالضعيف الحسن لأنه ضعيف بالنظر إلى الصحيح ولأنه بعض الذي كانوا هم وأهل عصرهم يطلقون عليه اسم الضعيف". (توضيح الأفكار شرح تنقيح الأنظار، ج٢ص٢١٢).

ترجمہ:" فضائل اعمال میں تھم کا کم از کم درجہ اباحت پایاجاتا ہے، تو پھر اعلیٰ تھم اوراد نی تھم میں کیا فرق ہے، جب
کہ مجہد کا کسی چیز پر تھم دینے کا مطلب ہیہ ہے کہ وہ اس بارے میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف
سے ایک تھم کوماننے کا دعویٰ کر تاہے، یعنی وہ اس مصنط میں جو رائے رکھتا ہے، اس پر عمل کرنے کا تفاضا کر تاہے۔ جو
بات میرے ذہمن میں آتی ہے وہ بیہ ہے کہ اس مسئلے میں اختلاف لفظی نوعیت کا ہے، اور سب کا اتفاق ہے کہ فضائل اور
مواعظ میں صرف حسن حدیث پر عمل کیا جائے گا، جو صبح سے کمزور ہوتی ہے، اس لیے جو علیاء جیسے امام احمد بن حنبل اور
ابن مہدی نے ضعیف حدیث پر فضائل میں عمل کرنے کا کہا، ان کا مقصد ضعیف حدیث سے حسن حدیث تھا، کیونکہ وہ
صبح کے مقابلے میں ضعیف ہے اور وہ اسے ضعیف کہتے تھے جو اس وقت کے اہل علم اور ان کے معاصرین کے نزدیک

فرمایا ہے جس میں انہوں نے ضعیف حدیث پر عمل کرنے کی عقلی واصولی وجہ ذکر فرمائی ہے، لیکن اس کے بالکل متصل بعد کی عبارت سے ان کا بورا موقف بالکل واضح ہوجاتا ہے کہ وہ بھی فی الجملہ ان شر ائط کے قائل ہیں جو حضرت حافظ ابن حجر رحمہ الله کے نام سے مشہور ہوئی ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

(وقد اتفق العلماء على جواز العمل بالحديث الضعيف في فضائل الأعمال)...أشار المصنف رحمه الله تعالى بحكلية الإجماع على ما ذكره إلى الرد على من نازع فيه بأن الفضائل إنها تُتَلقى من الشرع، فإثباتها بالحديث الضعيف اختراع عبادة، وشرع في الدين ما لمريأذن به الله وجه ردّه: أن الإجماع لكونه قطعيًا تارة ، وظنيًا ظنًا قويًا أخرى لا يُردُّ بمثل ذلك لو لم يكن عنه جواب، فكيف وجوابه واضح؟! إذ ذلك ليس من باب الاختراع والشرع المذكورين، وإنها هو ابتغاء فضيلة ورجاؤها بأمارة ضعيفة من غير ترتُّب مفسدة عليه كها تقرر. العليم عليه كها تقرر. الهي عليه كها تقرر. المهاه المهاه

ترجمہ: "علاء نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ ضعیف حدیث پر فضائل اعمال میں عمل کرنا جائز ہے... مصنف رحمہ اللہ نے اس اجماع کا ذکر کر کے ان لوگوں کارد کیا ہے جو اس میں اختلاف کرتے ہیں، کیونکہ ان کا کہنا ہے کہ فضائل صرف شریعت سے ہی اخذ کیے جاتے ہیں، اور ضعیف حدیث سے ان کا اثبات عبادت میں نئی چیز متعارف کرانا اور دین میں ایک بات کرنا ہے جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی۔

الفتح المبين، خطبة الكتاب، ذكر بعض من صنف أربعين حديثًا، ص٩٠٠.

اس کا جواب میہ ہے کہ چونکہ اجماع کبھی قطعی ہوتا ہے اور کبھی ظنی، لیکن ظن کا قوت والا ہونے کے باوجود بھی اس پر اعتراض نہیں کیا جاسکتا، جب تک کہ اس کا کوئی واضح جواب نہ ہو، تو پھر اس کا جواب واضح ہے! کیونکہ میہ نہ تو اختراع ہے اور نہ ہی شریعت میں نئی بات ہے، بلکہ میہ ایک فضیلت کے حصول کی کوشش ہے اور اس کے پیچھے ایک کمزور دلیل ہے، جس سے کسی قشم کی خرابی پیدا نہیں ہوتی، جیسا کہ اس کی وضاحت کی جاچکی ہے۔"

اس عبارت میں جو اشکال اٹھایا گیاہے، اسی کی وجہ سے جمہور نے ضعیف حدیث پر عمل کرنے کے لئے "عدم اعتقادِ ثبوت" کی شرط لگائی تھی۔ علامہ ہیں میں رحمہ اللہ نے اشکال کے اس نکتے کو غلط قرار نہیں دیا بلکہ جوجواب دیا اس کا حاصل یہ ہے کہ عمل کرنے سے "اعتقاد ثبوت" لازم نہیں آتا، اس سے اشکال میں ذکر کردہ نکتہ کی پوری یوری تائید ہوجاتی ہے۔

"اعتقاد ثبوت "نه ركھنے كامفہوم اور ايك غلط فنهى كاازاله

درج بالا شر الط میں سے تیسری شرط بید ذکر کی گئی ہے کہ ضعیف روایات کے مفہوم پر عمل کرتے ہوئے اس مفہوم کے ثابت ہونے کا عقاد ندر کھاجائے، بعض روایات میں اس کو یوں بھی تعبیر فرمایا گیاہے کہ ثبوت کا یقین ندر کھاجائے، اس سے بہت سے لوگوں کو بیہ غلط فہمی ہوجاتی ہے کہ اصل ممنوع چیز" یقین " ندر کھنا ہے، لہذا اگر " یقین " ندر کھاجائے اور صرف " ظن " کے درجہ میں اس پر عمل کیاجائے تو مضا کقہ نہیں۔ مثال کے طور پر ہندوستان فقد اکیڈمی کے ایک فیصلہ میں ہے:

"ترغیب وتر ہیب میں ضعیف روایات معتر ہیں، بشر طیکہ اس میں ضعف شدید نہ پایاجاتا
ہواور وہ شریعت کی کسی اصل عام کے تحت آتی ہوں اور ان پر عمل کرتے ہوئے اس
میں بیان کئے ہوئے تواب وعقاب کی امید تور کھی جائے لیکن یقین جازم نہ ہو۔"
حالا نکہ یہ بات بالکل بے جا اور خلافِ ضابطہ ہے، شر الط کے ضمن میں جو پچھ ذکر
کیا گیاہے، اس کا حاصل یہی ہے کہ اس بات کو حضور نبی کریم منگ اللہ قیم اشریعت کی جانب
منسوب نہ کیا جائے، چاہے وہ نسبت یقین کے درجے میں ہویا ظن غالب کے درجے میں،
دونوں ناجائز ہیں۔ صرف "یقین جازم" کے درجے میں منسوب کرنا ممنوع نہیں ہے،
"یقین جازم" تو کسی بھی خبر واحد کے بارے میں نہیں کیا جاسکتا چاہے، وہ اسنادی لحاظ سے صحیح یاحسن ہی کیوں نہ ہو۔

"احكام شرعيه "كامفهوم ومصداق

ضعیف حدیث پر عمل کرنے سے متعلق بیہ جو کہاجا تاہے کہ صرف فضائل اعمال میں اس کا اعتبار ہے،" شرعی احکام "کالفظ ای اس کا اعتبار نہیں، اس میں "شرعی احکام "کالفظ وہی اصولی اصطلاح کے طور پر استعال ہے، شریعت کے پانچوں احکام (وجوب واستحباب، کراہت و حرمت اور اباحت) اس کے تحت داخل ہیں، ان میں سے کوئی بھی حکم محض ضعیف حدیث سے ثابت نہیں ہو سکتا۔

"احکام" کے بارے میں بعض اہل علم کی رائے

شیخ محمد عوامہ صاحب زید مجد ہم کاخیال ہے ہے کہ یہاں "شرعی احکام" اس معنی میں استعال ہے اور نہ ہی ہے پانچوں احکام اس کے تحت داخل ہیں بلکہ یہاں اس سے مراد

انئے مسائل اور فقہ اکڈ می کے فصلے ،ص:۲۱

وجوب اور حرمت ہیں، پیہ دونوں احکام ضعیف حدیث سے ثابت نہیں ہوتی، باقی احکام ثابت ہوسکتے ہیں، چنانچہ علامہ بیہقی رحمہ اللہ نے "المدخل" میں حضرت عبد الرحمٰن بن مہدی رحمہ اللہ کابیہ قول نقل فرمایا کہ:

إذا رَوَينا عن النبي صلى الله عليه وسلم في الحلال والحرام والأحكام، تشددنا في الأسانيد، وانتقلنا الرجال، وإذا رَوَينا في فضائل الأعمال والثواب والعقاب، تساهلنا في الأسانيد، وتسامحنا في الرجال.

ترجمہ:"" جب ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حلال و حرام اور احکام کے بارے میں روایت کرتے ہیں اور رجال (روایات کے راویوں) پر تقید کرتے ہیں، تو ہم اساد میں سختی کرتے ہیں اور رجال (روایات کے راویوں) پر تقید کرتے ہیں، لیکن جب ہم فضائل اعمال، ثواب اور عذاب کے بارے میں روایت کرتے ہیں، تو ہم اساد میں نرمی اختیار کرتے ہیں اور راویوں کے بارے میں تسامح کرتے ہیں۔"

اس پر تعلیق کرتے ہوئے موصوف زید مجد ہم تحریر فرماتے ہیں:

هذا القول من الإمام عبد الرحمن بن مهدي صريح في أن المستحبات والمكروهات الداخلة تحت قوله "الثواب والعقاب": لا تدخل تحت الأحكام التشريعية التكليفية، لأنه ليس فيها كُلُفة وإلزام ووجوب، وهذا رأي مشهور لجمهرة من الأصوليين، وعليه عدد من أئمة الحديث المجتهدين وغيرهم ممن نصّ على العمل بالحديث الضعيف في الفضائل، خلافًا لمن يقول: إن الأحكام التشريعية هي

الخمسة، وهي متساوية في عدم جواز العمل إلا بالصحيح، قال هذا القول الشوكاني، وتُوبع، والتحقيق على خلافه.

ترجمہ:" یہ قول امام عبدالر حمن بن مہدی کاصاف طور پر اس بات کو ظاہر کر تاہے کہ مستحب اور مکر وہ جو اثواب اور عذاب اے تحت آتے ہیں، وہ تشریعی تکلیفی احکام میں شامل نہیں ہیں، کیو نکہ ان میں کوئی مشقت، لازمی اور واجب چیز نہیں ہوتی ۔ یہ رائے اصولیین کی ایک بڑی جماعت کی ہے، اور اس پر بعض محدثین اور دیگر مجتهدین کا عمل محمد ثین اور دیگر مجتهدین کا عمل محمد شین اور دیگر مجتهدین کا عمل کھی ہے جنہوں نے فضائل میں ضعیف حدیث پر عمل کرنے کا ذکر کیا ہے، جبکہ ان کے برعکس وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ تشریعی احکام پانچ ہیں اور یہ سب بر ابر ہیں، اور ان میں صرف صحیح حدیث پر ہی عمل کیا جا سکتا ہے۔ یہ قول شوکانی نے کہا تھا اور اس کی پیروی کی گئی، لیکن تحقیق اس کے خلاف ہے۔ "

علامہ امیر اساعیل صنعانی مرحوم کی ایک عبارت سے بھی یہی متر شح ہو تاہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

قلت: وكأنهم يعنون بالأحكام الحلال والحرام وإلا الندب من الأحكام والترهيب وفضائل الأعمال ترد بها يفيده.

ترجمہ:" بندہ کی رائے میہ ہے کہ: گویا کہ وہ 'احکام' سے حلال و حرام مراد لیتے ہیں، کیونکہ تھم ندب (مستحب) اور تر ہیب (ڈر) اور فضائل اعمال بھی احکام میں شامل ہیں۔"

ا المدخل إلى علم السنن للبيهقي،باب من توقَّى رواية أهل العراق...، ج١،ص٣٧٢.

^۲ توضيح الأفكار،مسألة:في المقلوب وأنواعه وحكمه، ج٢،ص٨٢.

مولانا محمد انور کوہستانی صاحب زید مجدہ اپنے مقالہ "ضعیف حدیث کی شرعی حیثیت" میں رقم طراز ہے:

" تمام احکام ایک در ہے اور مقام کے نہیں، بلکہ ان میں فرق مراتب ہے، فرض، واجب، سنت مؤکدۃ اور پھر مستحب وجواز۔ اس طرح حرام، مکروہ تحریمی، مکروہ تخریمی اور خلاف اولی۔ اس کے بالمقابل احادیث میں بھی فرق مراتب ہے، حدیث متواتر، مشہور، عزیز اور غریب، اس طرح حدیث موضوع، حدیث منکر، حدیث ضعیف۔ چونکہ استحباب اور جواز احکامات کے سلسلہ میں کم درج کے ہیں، لہذا جمہور علماء نے اس سلسلہ میں نرمی سے کام لیا اور استحباب اور جواز کے ثبوت میں حدیث ضعیف کو جمت مان لیا، لہذا جہاں جمہور علماء نے ہیہ اصول مقرر کیا ہے کہ حدیث ضعیف نصائل اور ترغیب وتر بہب میں جمت ہے، اسی طرح انہوں نے یہ اصول بھی مقرر کیا کہ حدیث ضعیف سے استحباب اور جواز بھی ثابت ہو سکتا ہے۔ "

ا پچھلی تفصیلات سے واضح ہو چکا ہے کہ یہ بات بالکل درست نہیں، جمہور علماء نے ثبوت احکام کے باب میں ضعیف روایات کو بالکل جمت تسلیم نہیں کیا، اسی طرح اس اقتباس کے آخر میں جمہور کی جانب جو بات منسوب کی گئ ہے، وہ بھی بالکل درست نہیں بلکہ جمہور کے موقف سے واضح طور پر متصادم ہے، جس کی پوری تفصیل ذکر کر دہ تفصیلات سے معلوم کی جاسکتی ہے۔

امام نووی رحمه الله فرماتے ہیں:

وعلى كل حال فإن الأئمة لا يروون عن الضعفاء شيئا يختجون به على انفراده في الأحكام فإن هذا شيء لا يفعله إمام من أئمة المحدثين ولا محقق من غيرهم من العلماء وأما فعل كثيرين من الفقهاء أو أكثرهم ذلك واعتصادهم عليه فليس بصواب بل قبيح حدا. شرح النووي على مسلم، ج اص١٢٥.

ترجمہ:" بہر حال، ائمہ محد ثین کبھی بھی ضعیف رواۃ ہے کوئی روایت نقل نہیں کرتے جس سے وہ احکام میں اکیلے اشد لال کریں، کیونکہ یہ ایساکام ہے جو محد ثین کے کسی امام یا محققین نے کیا ہو۔ باقی بہت سے فقہاء یاان میں سے زیادہ تراس پر عمل کرتے ہیں اور اس پر جو انحصار کرتے ہیں قویہ درست نہیں ہے بلکہ بہت ہی نالہندیدہ ہے۔"

مضعیف حدیث کی شرعی حیثیت، ص۲۱۲

کچھ سال پہلے ہندوستان کے" اسلامی فقہ اکیڈ می" نے اس موضوع پر ایک سیمینار منعقد کیا،اس میں جو حاصل و نتیجہ سامنے آیا،اس میں ایک شق بیہ بھی ہے:

"نیز جن احکام میں کوئی دوسری دلیل شرعی موجود نه ہو،ان میں الیی ضعیف الاسناد احادیث سے دیگر احکام بھی ثابت کئے جاسکتے ہیں۔الی احادیث علت غیر منصوصه پر مبنی قیاس سے اولی ہیں، یہی جمہور سلف کامسلک ہے۔"

دوسری شق بیہے:

"الی احادیث جوسند کے اعتبار سے ضعیف ہوں، لیکن ان میں ضعف خفت ضبط کی وجہ سے ہو نہ کہ فقد انِ عدالت کی وجہ سے، اور کسی نص صحیح و ثابت سے متعارض نہ ہوں، ان سے احتیاطی احکام لینی کراہت واستحباب ثابت کئے جاسکتے ہیں۔"ا

اس رائے کا اصولی تجزیہ وجائزہ

اصولی لحاظ سے بیہ بات بالکل درست معلوم نہیں ہوتی، علامہ ابن مہدی رحمہ اللہ کے اصل الفاظ کیا ہیں؟ اس کا لیس منظر کیا ہے؟ اور دیگر اہل علم کا اس حوالے سے موقف کیا ہے؟ان باتوں سے قطع نظر کرکے دیکھنے کی بات سے ہے کہ:

ا: یہ خیال اس موقف کے خلاف ہے جو جمہور اہل علم کے نزدیک رائج اور معتمد ہے۔ احکام تواحکام، جمہور اہل علم کے موقف کے مطابق تو محض حدیث ضعیف کی بنیاد پر کسی چیز کی فضیلت بھی ثابت نہیں ہوتی، "فضائل اعمال" میں ایسی روایات پر عمل کرنے کی جو بات کی جاتی ہے، اس میں یہ قیدلگائی جاتی ہے کہ نفس عمل کی فضیلت کسی دوسری درست کی جاتی ہو، ورنہ محض ضعیف روایت کی بنیاد پر "شرعی فضیلت "کامدار رکھنا بھی درست نہیں ہے۔

انٹے مسائل اور فقہ اکیڈ می کے فیصلے ، ص:۲۱

علامه شاطبى رحمه الله اس خيال كى ترويد كرتے ہوئے تحرير فرماتے ہيں: وَلَا يُقَالُ: إِنهم يُرِيدُونَ أَحكام الْوُجُوبِ وَالتَّحْرِيمِ فَقَطُ؛ لأَنا نَقُولُ: هَذَا تَحَكُّمٌ مِنْ غَيْرِ دَلِيلٍ، بَلِ الأَحكام خَمْسَةٌ. فَكَمَا لَا يثبت الوجوب إلا بالصحيح، كذلك الندب والإباحة وغيرهما لا تثبت إلا بالصَّحِيحِ فإذا ثَبَتَ الْحُكُمُ فَاسْتَسْهِلُ أَن يَثْبُتَ فِي أَحاديث التَّرُغِيبِ

ترجمہ: "اگر کوئی ہے کہے کہ جمہور کے بزدیک صرف واجب اور حرام احکام مراد ہے؟
توبہ بات درست نہیں کیونکہ کہ یہ دلیل کے بغیر محض سینہ زوری ہے، بلکہ دراصل
احکامات کل پانچ ہیں۔ جیسے کہ واجب صرف صحح حدیث سے ثابت ہو تاہے، اسی
طرح مستحب، اباحت اور دیگر احکام بھی صرف صحح حدیث سے ثابت ہوتے ہیں۔
چنانچہ جب عمم ثابت ہو جائے، تو آسانی سے یہ قبول کیا جا سکتا ہے کہ یہ تر غیب اور
ترجیب کی حدیثوں میں بھی ثابت ہو جائے، اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔"
کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے کی حیثیت کیا ہے ؟ اس مسئلہ کی تفصیل کرتے ہوئے
حضرت مولانار شید احمد گنگو ہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وأما ما يتوهم من أن الضعاف من الروايات تقبل في فضائل الأعمال - وههنا كذلك - فإن الثابت بالحديث ليس إلا بركة الغسل وهي فضيلة فالجواب عنه ما قدمنا من قبل من أن ثبوت الفضيلة إنها يكون إذا ثبت نفس ذلك العمل بنص آخر قوي بحسنه الذاتي

ا الاعتصام للشاطبي ت الشقير والحميد والصيني،الباب الرابع في ملخذ لُهل للبدع في الاستدلال،فَصْلٌ ، ج٢ص ٣١.

أو باجتهاع غيره معه دون هذه الفضيلة فإنها ثبتت بالضعيف وههنا من تكلم في نفس الغسل لعدم الثبوت فله أن يتكلم في تلك الفضيلة أيضًا فأفهم، وحاصل ذلك أن ثبوت حكم ما لا يمكن بالضعيف من الروايات، وأما رجاء المثوبة والفضيلة فممكن الثبوت بالضعاف، لما له تعالى من كرم على عباده عميم وفضل على هذه الخليفة عظيم فلا يرجى منه أن يخيب راجيًا فضله لا سيها وقد ناط عليه شغله.

الكوكب الدري، ابواب الأطعمة، باب ما جاء في أكل البطيخ بالرطب، ج٣،ص٢٠.

۲: نیز اس بات پر غور کیاجائے کہ وجوب اور حرمت کے ثابت نہ ہونے کا اصل و مناط کیاہے ؟ کیاواجب کا واجب ہونااور حرام کا حرام ہوناہی اس بات کا متقاضی ہے کہ ضعیف حدیث پر اس کی بنیاد نہ رکھی جائے ؟ اسی طرح مباح ، مسنون اور مکروہ میں اباحت وغیرہ امور کاہی یہ تقاضاہے کہ ضعیف حدیث پر اس کی بنیادر کھی جائے ؟ اگر یہی چیزیں مناط حکم ہیں تو پھر ان میں اس تفریق کی اساسی وجہ کیاہے ؟ درست بات وہی ہے جیزیں مناط حکم ہیں تو پھر ان میں اس تفریق کی اساسی وجہ کیاہے ؟ درست بات وہی ہے جو پہلے بھی ذکر کی جا چی ہے کہ احکام ثابت ہونے کی بنیاد "نسبت الی الشرع" پر ہے اور ضعیف حدیث سے اس کا ثبوت نہیں ہوتا، اس لئے کوئی بھی شرعی حکم اس سے ثابت کرنادرست نہیں۔

حضرت مفتی رشید احمد لد هیانوی صاحب رحمه الله" طواف کی دعاؤں" کے متعلق کھتے ہیں:

"جو عمل ضعیف حدیث سے ثابت ہو، اس کو سنت سمجھنا بدعت اور ناجائز ہے، جبکہ یہ دعائیں کسی ضعیف حدیث سے بڑھ کر دعائیں کسی ضعیف حدیث سے بجھی ثابت نہیں، اور عوام وخواص ان کو سنت سے بڑھ کر فرض سمجھتے ہیں، اس لئے یہ بہت خطرناک بدعت اور بہت بڑا گناہ ہے۔"

اصولی اور تطبیقی نقطه نگاه

اصولی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو:

الف: ضعیف حدیث میں ثبوت کا صرف احتمال ہو تاہے جبکہ عدم ثبوت اور شریعت کی طرف اس کی نسبت کاعدم جواز اصل ہے۔ علامہ قرافی رحمہ اللہ کی سے عبارت پہلے ذکر کی جاچکی ہے کہ:

احسن الفتاويٰ، كتاب الحج، جهم ص 24 **۵**

اس پراجماع ہے۔"

قاعدة: الأصل الا تبنى الأحكام إلا على العلم لقوله تعالى ﴿ولا تقف ما ليس لك به علم ﴾ لكن دعت الضرورة للعمل بالظن لتعذر العلم في أكثر الصور فتثبت عليه الأحكام لندرة خطئه وغلبة إصابته والغالب لا يترك للنادر وبقي الشك غير معتبر إجماعا. ١ ترجمه: "ضابطه بيب كه احكام كوصرف علم (يقين) پر مبنى بونا چا بخ ، جيما كه الله تعالى كار شاد به: ﴿ اور جس چيز كا تجه علم نه بو، اس كے پیچے نه پر ﴾ ليكن ضرورت كى كار شاد به: ﴿ اس لي احكام ظن پر عمل كرنا پر تا ہے كيونكه كئى صور توں ميں يقين عاصل كرنا مشكل بوتا ہے۔ اس لئے احكام ظن پر قائم كي جاتے ہيں، كيونكه اس ميں غلطى كا امكان كم اور صحيح بونے كا امكان زيادہ بوتا ہے۔ اور عام طور پر غالب امكان كونادر كے مقابل ميں ترك نہيں كيا جاتا۔ اس كے علاوہ، شك كوكوئى انجيت نہيں دى جاتى، اور مقابل ميں ترك نہيں كيا جاتا۔ اس كے علاوہ، شك كوكوئى انجيت نہيں دى جاتى، اور

ب: نیز پہلے احتمال کو لینے کی صورت میں ایک مستحب کام پر عمل کرنے کی نوبت آسکتی ہے جبکہ دوسرے احتمال کی صورت میں "ابتداع فی اللہیں" اور "افتراء علی اللہ" جیسے جرائم کے ارتکاب کااندیشہ ہے۔استحباب اور حرمت میں تعارض کے وقت حرمت ہی کوتر جے دی جاتی ہے۔

ج: ضعیف احادیث کو ثابت و حجت قرار دینے میں جلبِ مصلحت جبکہ جیت تسلیم نہ کرنے کی صورت میں "و فع مصرت "کا پہلو نمایاں ہے، جبکہ د فع مصرت، جلبِ مصلحت پر مقدم ہے۔

ا الذحيرة للقرافي، كتاب الطهارة،الباب الاول في الطهارة، ج١٠٥٠٠٠.

د: "اثباتِ حَمَّم "اور" اثباتِ فضیلت" میں اصولی لحاظ سے کوئی معتدبہ فرق معلوم نہیں ہوتا، دونوں میں مناطِ منع شریعت کی جانب نسبت کرنا ہی ہے، لہذا جب ضعیف حدیث سے حکم شرعی ثابت کرنا درست نہیں ہے تو محض اس کی بنیاد پر فضیلت کا اثبات واعتقاد بھی غلط اور بے جاہے۔

عوام میں تشہیر کاخطرہ

اس بات کو مد نظر رکھ کریہی بات مناسب بلکہ ضروری معلوم ہوتی ہے کہ ضعیف روایات پر فضائل کے باب میں بھی صرف مشروط طور پر عمل کرنے کی گنجائش دی جائے اوروہ بھی محدود دائرہ میں رہتے ہوئے دی جائے، عام لوگوں میں اس کی تشہیر نہ کی جائے جیسا کہ حضرت حافظ ابن حجر صاحب رحمہ اللہ نے "تبیین العجب" میں ذکر فرمایا ہے۔

عام لو گوں سے یہ تو قع رکھنا، کہ وہ ان شر اکط کا پورا پورا خیال رکھیں گے اور ان کی مکمل رعایت رکھتے ہوئے متعلقہ حدیث کے مقتضی پر عمل پیرا ہوں گے، بالکل بے جا ہے، جن حضرات کو عام لو گوں کے احوال سے واقفیت حاصل ہے، وہ جانتے ہیں کہ مشر وط و مقید اجازت دینے کی صورت میں عام طور پر شر اکط و قیودات کی رعایت نہیں رکھی جاتی۔ بلکہ اس ناکارہ کا تجربہ تو یہ ہے کہ عام اصطلاح میں جو فضلاء کرام کہلاتے ہیں، ان میں سے بھی بہت سے حضرات سے یہ تو قع رکھنی مشکل اور بے محل کہلاتے ہیں، ان میں سے بھی بہت سے حضرات سے یہ تو قع رکھنی مشکل اور بے محل

اندیشہ کے وقت "بیان ضعف " کی اہمیت

محدثین کرام نے بیہ جو شرائط ذکر فرمائے ہیں، یہ بہت ہی دقت پر مبنی ہیں خاص کر "عدم اعتقادِ ثبوت" والی قید، عوام یاعام فضلاء کرام سے بیہ توقع رکھنا کہ وہ ضعیف روایات کے متعنی پر عمل کرتے وقت ہر مرتبہ اس شرط کالحاظ رکھیں گے، مشکل ہے۔ بہر حال جہاں کہیں خاطب /سامعین کے متعلق یہ اندیشہ ہو کہ وہ ان شرائط کا خیال نہیں رکھیں گے یانہ رکھ سکیں گے، وہاں ایسی ضعیف احادیث سے احتراز ہی کرنا ضروری ہے، کسی جگہ بیان کرنے کی نوبت آہی جائے تو روایت کوذکر کرنے کے ساتھ ساتھ اس کاضعف بھی بیان کرنے کی نوبت آہی جائے تو روایت کوذکر کرنے کے ساتھ ساتھ اس کاضعف بھی بیان کر دیاجائے۔

"مقدمه فتح الملهم" ميں ہے:

مَن جوّز العملَ بالضّعيف في الفضائل لا يجوّزه مطلقا بل يشترط له شروطا، منها أن لا يُعتقد ثبوته، وهذا لا يتيسّر إلّا ببيان ضعفه.

ترجمہ: "جو شخص ضعیف حدیث پر فضائل میں عمل کرنے کو جائز قرار دیتا ہے، وہ اسے مطلقاً جائز نہیں سمجھتا، بلکہ اس کے لیے چند شر الطار کھتا ہے، جن میں سے ایک میہ ہے کہ اس کی صحت پر یقین نہ کیا جائے، اور میہ تب ہی ممکن ہے جب اس کا ضعف واضح طور پر بیان کیا جائے۔"

اس کے چند سطر بعد تحریر فرماتے ہیں:

قد نشأ مِن رواية الأحاديث الضّعيفة مِن غير بيان لضعفها ضرر عظيم عرفه مَن عرفه وجهله مَن جهله.

ترجمہ: "ضعیف حدیث کو اس کے ضعف کو واضح کیے بغیر روایت کرنے سے ایک بڑا نقصان پیدا ہوا ہے، جسے وہ جانتے ہیں جو جانتے ہیں اور اسے وہ نہیں جانتے جو نہیں جانتے۔"

ا فتح الملهم بشرح صحىح مسلم، ج١٥٨٥٠.

حضرت مفتی محمد فرید صاحب رحمه الله "مقدمه مسلم" کی شرح میں ایک جگه تحریر رماتے ہیں:

الثقة إذا حدّث بالخطأ فحمل عنه وهو لا يشعر أنّه خطأ يُعمل به على الدّوام للوثوق بنقله فيكون سببا للعمل بِما لم يقله الشّارع. ترجمه: "جب كوئى ثقه راوى غلطى سے كوئى مديث نقل كرتا ہے اور وہ اس بات سے بے خبر ہوتا ہے كہ وہ غلطى كررہا ہے، تواس كى روايت كو مستقل طور پر قبول كيا جاتا ہے كوئكه اس كے نقل پر اعتاد كيا جاتا ہے، اور يہ باعث بنتا ہے كہ اليى بات پر عمل كرا جائے جو شريعت نے نہيں كہى۔ "

حدیث ضعیف کے ساتھ "بیان ضعف" اگر چہ جمہور محدثین کرام کے نزدیک اصلاً ضروری نہیں، تاہم جہال کہیں یہ اندیشہ ہو کہ لوگ سن کراس کو "حدیث رسول" قرار دیں گے توایسے موقع پر "بیان ضعف" ضروری ہے، جو حضرات بہر صورت اس کو غیر ضروری سمجھتے ہیں، ان کا موقف یہ ہے کہ بیان کرنے والے کی طرف سے تو کوئی کو تاہی / منکر متحقق نہیں ہوا، یہ بات اگر چہ درست ہے، تاہم فقہی نقطہ نظر سے صرف کسی عمل کا "مباشرت" ہی مناط احکام نہیں ہوتا بلکہ "تسبّب" کا بھی اس میں بہت کچھ د خل ہوتا ہے۔

ان شر ائط كاوا قعاتى جائزه

یہاں تک کے ابحاث سے واضح ہوا کہ:

ا فتح المنعم، ص٦٠.

الف: حدیث ضعیف کی بنیاد پر کوئی عمل کرناجائزہے یانہیں؟ اس کے متعلق اہل علم حضرات کی تین رائے ہیں، ان میں سے رائج رائے اور جمہور کا موقف سے ہے کہ مشر وط طور پر اس کی اجازت ہے بلکہ بعض اہل علم نے اس کو بہتر بھی قرار دیا۔

ب: یہ بھی واضح کیاجاچکا ہے کہ کسی چیز کو مشروط تھہر انے کا مقصود یہی ہو تاہے کہ اگر شر ائط موجود ہوں تو متعلقہ عمل کی اجازت ہوگی اور اگر شرط مفقود ہو تو اجازت بھی ختم ہوجائے گی۔

ان شر الط کے واضح ہوجانے کے بعد اب دیکھنے کی بات یہ ہے کہ اس وقت ہمارے ہاں ان شر الط کی عملی حیثیت اور واقعاتی صورت حال کیا ہے؟ کیالوگ ضعیف حدیث کے ساتھ تعامل میں ان شر الط کی رعایت کرتے / کرسکتے ہیں یا نہیں؟ یہ شخقیق اس لئے کھی ضر وری ہے کہ جب تک کسی عمل کی واقعی حیثیت واضح نہ ہوجائے، اس وقت تک وہ محض نظریاتی اور علمی نوعیت ہی کی چیز ہوتی ہے جس سے عملی طور پر کچھ زیادہ فائدہ نہیں محض نظریاتی اور علمی نوعیت ہی کی چیز ہوتی ہے جس سے عملی طور پر کچھ زیادہ فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا، شرعی احکام کا تعلق صرف نظریاتی باتوں ہی کے ساتھ نہیں ہوتا بلکہ عملی صورت حال سے بھی اس کاغیر معمولی ربط ہوتا ہے، اس لئے "فتوی" کا حاصل بھی یہی صورت حال سے بھی اس کاغیر معمولی ربط ہوتا ہے، اس لئے "فتوی" کا حاصل بھی یہی

اس لئے جب عام معاشرے کا جائزہ لیاجاتاہے تو افسوس کے ساتھ یہی سامنے آتاہے کہ لوگ نہ صرف یہ کہ عملی طور پر ان شر الطاکا پاس ولحاظ نہیں رکھتے بلکہ ان طرائع سے اس کی توقع رکھناہی دور اندیثی کے خلاف ہے۔ اپنے اس تجربے کو ایک طرف رکھنا بھی کچھ زیادہ مشکل نہ تھا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ عرب وعجم میں سے جن حضرات کو بھی عوام کے ساتھ ربط و تعلق رہا اور ساتھ ان شر ائط کے حوالے سے لوگوں کی

صورت حال پر نظر رہی،ان کا بالعموم یہی تجربہ رہاہے اور بہت سے حضرات نے اس کا اظہار واعلان بھی فرمایاہے۔

حضرت مولانامفتی رشید احمد لدهیانوی صاحب رحمه الله کے "فاوی "میں ہے:
"ضعیف حدیث پر عمل کرنے میں مندر جہ ذیل مفاسد ہیں:
ا۔۔اس میں بیہ شرطہ کہ اس عمل کو سنت نہ سمجھا جائے۔
اور حال بیہ ہے کہ عوام تو در کنار خواص بلکہ مشہور علماء اور مقتداء حضرات بھی ایسے
اعمال کو سنت سمجھے ہیں ،بالخصوص شیخ عبدالحق دہلوی رحمہ الله کی کتاب "ماثبت
بالسنة "کانام دیکھ کر اس میں مذکورہ سب اعمال کو مسنون سمجھا جاتا ہے،حالا تکہ اس
میں بھی اکثر روایات اسی قسم کی ہیں "۔۔"

ضعیف روایات پریے قید عمل کرنے کی مضرتیں

ضعیف روایات اوران کے مفہوم پر عمل کرنا اگر ان شر الط کے مطابق ہو جو گزشته سطور میں تحریر کی گئیں ہیں تو مضا لقد نہیں، بلکہ احتیاط کا تقاضا اور تدین کا نتیجہ و ثمرہ ہے، تاہم اگر اس سلسلہ میں طے شدہ شر الط کی رعایت نہ رکھی جائے تو دینی لحاظ سے اس میں انفرادی اور اجتماعی دونوں لحاظ سے مصرت ہے، ذاتی لحاظ سے مصرت کا تو گزشتہ سطور میں "یانچ خرابیوں" کے ضمن ذکر کیا گیا ہے۔

اجماعی لحاظ سے دینی مضرت میہ ہے کہ جب کوئی عالم دین یا دینی لحاظ سے مقتداکی حیثیت رکھنے والے حضرات عوام کے سامنے ایسے امور کی پابندی کرتے ہیں جو محض ضعیف روایات ہی کی بنیاد پر "ثابت "ہوتی ہیں، یاایسے فضائل سناتے ہیں جو محض ضعیف

احسن الفتاوي، تتميّر، عمل بالحديث الضعيف مين مفاسد، ج • اص ١٢٣

روایات ہی میں ذکر ہوتے ہیں تولوگ اس کو دین کا حصہ سمجھنا شروع کرتے ہیں ، کم از کم مستحب یا مسنون خیال کرتے ہیں ، اور اگر کسی بات کو حضور مَثَلَّ اللَّهُ عَلَیْ کَمَ جانب منسوب کر تا ہوئے دیکھاسنا تو فوراً اس کو حضور مَثَلَّ اللَّهُ کَمَ جانب منسوب کر نا شروع کرتے ہیں۔ علامہ طرطو شی رحمہ اللّٰد کا نفیس مکتہ علامہ طرطو شی رحمہ اللّٰد کا نفیس مکتہ

علامہ سبکی رحمہ اللہ نے اپنی مفید کتاب "طبقات الشافعیة" میں "صلاۃ رغائب" کے ضمن میں علامہ ابو الولید طرطوشی رحمہ اللہ سے اس سلسلے میں ایک بڑی دلچسپ بات نقل کی ہے، وہ تحریر فرماتے ہیں:

قَالَ أَبُو بكر مُحَمَّد الطرطوشي إِنَّهَا لَم تحدث بِبَيْت الْقُدِّس إِلَّا بعد ثَهَانِينَ وَأَرْبَعِلِئَة من الْحِجْرَة وَهِي مَعَ ذَلِك مُخَالَفَة للشَّرِع من وُجُوه يَخْتَص الْعلمَاء بِبَعْضِهَا وَبَعضها يعم الْعَالم وَالجُّاهِل فَأَما مَا يُخْتَص بِهِ يَخْتَص الْعلمَاء بَبَعْضِهَا وَبَعضها يعم الْعالم وَالجُّاهِل فَأَما مَا يُخْتَص بِهِ الْعلمَاء فضربان أحدهما أن الْعَالم إِذَا صلاها كَانَ موهما للعامة أَنَهَا من السّنَن فَيكون كَاذِبًا على رَسُول الله صلى الله عَلَيْه وَسلم بِلِسَان الْحَال ولسان الْحَال قد يقوم مقام لِسَان الْقَال. الثَّانِي أَن الْعَالم إِذَا فعلها كَانَ متسببا إِلَى أَن تكذب الْعَامَّة على رَسُول الله صلى الله عَليْه وَسلم فيقولوا هَذِه سنة من السّنَن والتسبب إِلَى الْكَذِب على رَسُول الله صلى الله عَليْه وَسلم فيقولوا هَذِه سنة من السّنَن والتسبب إِلَى الْكَذِب على رَسُول الله صلى الله عَليْه وَسلم لا يجوز. الله صلى الله عَليْه وَسلم لا يقول الله عَلَيْه وَسلم لا يقول الله عَلَيْه وَسلم الله عَلَيْه وَسلم الله الله عَلَيْه وَسلم الله عَلَيْه وَسلم الله عَلَيْه وَسلم الله عَلْه وَسلم الله عَلَيْه وَسلم الله الله عَلَيْه وَسلم الله عَلَيْه وَسلم الله عَلَيْه وَسلم الله عَلْه الله عَلَيْه وَلَيْه الْهُ عَلَيْه وَلَيْه الْهُ عَلَيْه وَلْهِ الله عَلَيْه وَلْهُ الْهُ عَلَيْهِ وَسلم الله عَلْه وَلَيْهِ وَلَيْهِ وَلْهُ الْهُ عَلَيْهِ وَسلم الله عَلْه وَلَيْهِ وَلَيْهِ وَلْهُ عَلَيْهِ وَلَيْهِ وَلَيْهِ وَلَيْهِ وَلَيْهِ وَلَيْهِ وَلْهُ الْهُ عَلَيْهِ وَلَيْهِ وَلَيْهِ وَلَيْهِ وَلَيْهِ وَلِهُ الْهِ وَلْهُ الْهِ الْهُ وَلَيْهِ وَلَيْهِ وَلَيْهِ وَلَيْهِ وَلْهُ الْهِ الْهِ الْهُ عَلَيْهِ وَلَيْهِ وَلَيْهُ وَلَيْهِ وَلَيْهُ وَلَيْهُ الْهِ الْهُ عَلَيْهِ وَلْهُ الْهُ وَلِهُ وَلَيْهِ وَ

ترجمہ:"امام ابو بکر محمد الطرطوشی نے کہا:'یہ عمل بیت المقدس میں ۴۸۰ ہجری کے بعد شروع ہوا، یہ عمل شریعت سے کئی لحاظ سے متعارض ہے، جن میں سے پچھ خاص

ا طبقات الشافعية الكبرى للسبكي، ج٨ص٢٥٢.

طور پر علاء کے لیے ہیں اور کچھ عام طور پر عالم اور جاہل دونوں پر اثر انداز ہوتی ہیں۔
جتنا کہ وہ بات جو خاص طور پر علاء سے متعلق ہے، وہ دوطرح کی با تیں ہے۔ پہلی یہ کہ
جب عالم اسے اداکر تا ہے، تو وہ عوام کو یہ تاثر دے رہاہو تا ہے کہ یہ سنتوں میں شامل
ہے، اور وہ اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بول رہاہو تا ہے، حالا نکہ
یہ جھوٹ زبانِ حال سے ہے اور زبانِ حال کبھی کبھار زبانِ مقال کی جگہ لے لیتی
ہے۔ دوسری یہ کہ جب عالم اسے کر تا ہے، تو وہ عوام کو اس بات پر اکساتا ہے کہ وہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جھوٹ بول کر کہے کہ یہ سنتوں میں سے
ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بول کر کہے کہ یہ سنتوں میں ہے۔

ضعیف حدیث کی جمیت کاموقف

متعدد اہل علم حضرات کی عبارات سے معلوم ہو تاہے کہ ان کے نزدیک ضعیف احادیث سے بھی احکام کے بارے میں استدلال کیاجا سکتا ہے اور اس باب میں بھی ضعیف حدیث جت ہے، کہیں تو یہ بات صراحت کے ساتھ ذکر ہوتی ہے اور کبھی صراحت تو نہیں ہوتی لیکن بہر حال عبارت کا مقصود و مفہوم یہی نکلتا ہے۔ مثال کے طور یرامام نووی رحمہ اللّٰد فرماتے ہیں:

قال العلماءُ من المحدّثين والفقهاء وغيرهم: يجوز ويُستحبّ العمل في الفضائل والترغيب والترهيب بالحديث الضعيف ما لمريكن موضوعاً. وأما الأحكام كالحلال والحرام والبيع والنكاح والطلاق وغير ذلك فلا يُعمل فيها إلا بالحديث الصحيح أو الحسن إلا أن يكون في احتياط في شع من ذلك، كما إذا ورد حديثٌ ضعيفٌ

بكراهة بعض البيوع أو الأنكحة، فإن المستحبَّ أن يتنزَّه عنه ولكن لا يجب. ا

ترجمہ: "محدثین، فقہاء کرام اور دیگر علاء فرماتے ہیں کہ: فضائل، ترغیب و ترہیب
(نیکیوں کی ترغیب دینے اور برائیوں سے ڈرانے) میں ضعیف حدیث پر عمل کرناجائز
اور مستحب ہے جب تک کہ وہ موضوع (جھوٹی) نہ ہو۔ لیکن جہاں تک احکام کا تعلق
ہے جیسے حلال و حرام، بیج، نکاح، طلاق وغیرہ، توان میں صرف صحیح یاحسن حدیث پر
ہی عمل کیا جائے گا، سوائے اس صورت کے کہ اگر کسی معاملے میں احتیاطی تدابیر
اختیار کرنے کی ضرورت ہو۔ جیسے اگر کوئی ضعیف حدیث کسی بیچ یا نکاح کی کراہت
کے بارے میں آئی ہو، تومستحب یہ ہے کہ اس سے بچاجائے، لیکن یہ فرض نہیں "۔
علامہ ابن الہام رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

الاستحباب يثبت بالضعف غير الموضوع.٢

الأذكار للنووي ت الأرنؤوط،مقدمة المؤلف،فصل: في الأمر بالإِخلاص وحسن النيّات في جميع الأعمال الظاهرات والخفيّات، ج اص ٨.

۲ محقق ابن الہمام رحمہ اللہ کی اس عبارت سے عام طور پریہ استدلال کیا جاتا ہے کہ حدیث ضعیف سے استجاب کا حکم ثابت ہو سکتا ہے، لیکن اس ناکارہ کو اس میں تامل ہے، اگر علامہ رحمہ اللہ کی عبارت کو سیاق و بوراد کچھ الیہ تابت ہو سکتا ہے، لیکن اس ناکارہ کو اس میں تامل ہے، اگر علامہ رحمہ اللہ کی عبارت کو سیاق و سی لیے جو صحیح (لعینہ لیا جائے تو بظاہر ایسامعلوم ہو تا ہے کہ یہال حدیث ضعیف سے اصطلاحی حدیث مر ادہے جو فی نفسہ تو ضعیف و لغیرہ) اور حسن (لعینہ و لغیرہ) اور حسن (لعینہ و لغیرہ) ور حسن لغیرہ کے درجہ تک پہنچ جائے۔ یہ توجید درست نہ ہو تو بھی اس کا مناسب اور بے غبار محمل وہی ہے جو محقق دوانی رحمہ اللہ کے حوالہ سے آئندہ سطور میں ذکر کیا جائے گا،ان شاء اللہ۔ حضرت کی یوری عبارت ہے:

ولِنَا لَمِنْذَكُره نحن من السنن لأنفقال فيهما «اذهب فوارلُباك ثم لاتحدث شيئا حتى تأتيني، فذهبت فواريته وجئته، فأمرين فاغتسلت ودعا لي» وليس فيه الأمر بغسله إلا ما قد يفهم من طريق الالتزام الشرعي بناء على ما عرف من أنه لم يشرع الغسل إلا من غسل الميت دون دفنه وتكفينه،

ترجمہ:" استحباب (یعنی کسی عمل کا مستحب ہونا) ضعیف حدیث سے ثابت ہو تا ہے جب تک کہ وہ حدیث موضوع (جھوٹی) نہ ہو۔

بہت سے اہل علم (جن میں فقہ اور شروح حدیث کی کتابوں کے متعدد مستند مصنفین کھی داخل ہیں) کے تعامل سے بھی بعض او قات یہی متر شح ہو تاہے کہ شاید کسی چیز کی فضیلت یا استحباب ثابت کرنے میں ضعیف حدیث کا بھی اعتبار ہے، بعض کتابوں میں کسی حدیث کو ضعیف قرار دینے کے باوجود بھی اس سے استدلال کیاجا تاہے، اسی طرح بعض کرنا جگہ یہ صراحت بھی کی جاتی ہے کہ چو نکہ حدیث ضعیف ہے، اس لئے اس پر عمل کرنا واجب نہیں ہے، جائز ہے۔

وهو ما رواه أبو داود عن عائشة «كان - عليه الصلاة والسلام - يغتسل من الجنابة ويوم الجمعة وغسل الميت» وهو ضعيف.وروى هو والترمذي مرفوعا «من غسل ميتا فليغتسل، ومن حمله فليتوضاً» حسنه الترمذي وضعفه الجمهور، وليس في هذا ولا في شيء من طرق علي حديث صحيح، لكن طرق حديث علي كثيرة، والاستحباب يثبت بالضعيف غير الموضوع.فتح القدير للكمال ابن الهمام،باب ألجنائز،فصل في الصلاة على المينت، ج٢ص ١٣٣٠.

ترجمہ: "ہم نے اسے سنتوں میں ذکر نہیں کیا کیونکہ اس میں کہا گیا ہے: «" جاؤاور اپنے والد کو دفن کرو، پھر مجھ سے ملنے تک کوئی بات نہ کرو۔ میں گیا، والد کو دفن کیا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، تو آپ نے جھے عنسل کرنے کا حکم دیااور میں ہے۔ کہ عنسل صرف اس شخص کے بارے میں ہے میرے لیے دعائی۔،اور اس میں عنسل کا حکم نہیں دیا گیا، کیونکہ میہ معروف ہے کہ عنسل صرف اس شخص کے بارے میں ہے جومیت کو عنسل دے، نہ کہ اس کے دفن اور آئوتین سے پہلے۔ ابو داو درنے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ « نبی صلی اللہ علیہ وسلم جنابت، جمعہ کے دن اور میت کے عنسل سے عنسل کرتے تھے »، اور میہ صدیث ضعیف ہے۔ ابو داو د اور تر نہ ی نہ تہ موقو ایت کیا: «جو شخص میت کو عنسل دے وہ عنسل کرے، اور جو اسے اٹھائے وہ وضو کرے »، تر نہ کی نے اسے حسن کہا، جبکہ جمہور نے اسے ضعیف قرار دیا۔ نہ تواس میں اور نہ ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کی طریقے میں صحیح صدیث موجو د ہے، تاہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث کئی طرق ہیں، اور الاستجاب (ایعنی کسی عمل کا مستحب ہونا) ضعیف موجو د ہے، تاہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث کے کئی طرق ہیں، اور الاستجاب (ایعنی کسی عمل کا مستحب ہونا) ضعیف صورت ہے تاہت ہو سکتا ہے جب تک کہ وہ موضوع (جموئی) نہ ہو۔

ان متضاد عبارات كااصولى تجزيه وتوجيه

امام نووی اور علامہ ابن الہمام کی ان عبارات اور مختلف اہل علم کے اس تعامل سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ضعیف روایات سے بھی احکام ثابت ہو سکتے ہیں اور فضائل کے باب میں اس سے مستحب احکام ثابت ہو سکتے ہیں، علامہ ابن الہمام رحمہ اللہ نے تواس کی پوری صراحت فرمائی ہے ۔ حالا نکہ اصولی نقطہ نظر سے دیکھاجائے تو جب حدیث ضعیف دلیل شرعی نہیں ہے تواس سے کسی عمل کا شرعی استحباب یا فضیلت ثابت نہیں ہوسکتی ہے جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

سوال ہو تاہے کہ ان عبارات اور تعامل کا کیا کیا جائے؟ جواب میہ کے اصولی زاویہ نگاہ سے ان عبارات کو درج ذیل دوباتوں میں سے کسی ایک پر محمول کیا جاسکتا ہے:

ا: چونکه مسکله اختلافی ہے اور بہت سے اہل علم کاموقف یہ بھی ہے کہ ضعیف حدیث مطلقاً معتبر ہے، اس لئے علامہ ابن الہام رحمہ الله کی درج بالاعبارت اور اس کی طرح دیگر صرح عبار توں کو اسی موقف پر محمول کر لیاجائے گا اور یہ سمجھاجائے گا کہ یہ حضرات اسی موقف کے قائل تھے۔ یہ موقف بے غبار ہے، تاہم یہ احتیاط ضروری ہے کہ متعلقہ مصنفین کرام کی دیگر کتابوں اور عبارات کو بھی اچھی طرح دیکھاجائے تا کہ کسی کی تصریحات کے بغیر اس کی طرف کوئی موقف منسوب نہ کی جائے۔ جہاں کہیں کسی معتمد مصنف کی عبارات میں تعارض ہو اور کسی ایک پہلو کو ترجیح دینا مشکل ہو، وہاں دو سری توجیہ بی زیادہ مناسب ہوگی۔

۲: الیی عبارات کی مناسب توجیه کر کے جمہور کے موقف کے مطابق کر لیاجائے، ان کے لئے ایسامحمل تلاش کر لیاجائے جس کے بعدیہ جمہور کے موقف کے خلاف نہ رہے۔ چونکہ جمع و تطبیق ، ترجیح پر اور وہ تخطئہ پر مقدم ہو تاہے، اس لئے ان دو ممکنہ باتوں میں سے یہی دوسری بات ہی زیادہ مناسب معلوم ہو تاہے۔

علامه دواني رحمه الله كي مناسب توجيه

ان جیسی عبارات کا درست اورایک مناسب محمل وہی ہے جو محقّق دوانی نے اپنی کتاب"انموذج العلوم" میں ذکر فرمایاہے '۔ کچھ تغیر کے ساتھ اس کا حاصل میہ ہے "کہ:
فضائل اعمال کے باب میں بھی ضعیف حدیث سے استفادہ کرنے کی کچھ شر الط ہیں جن میں سے ایک بنیادی اور اہم شرط ہیہ ہے کہ:

ا: عمل کرتے وقت ضعیف روایت کامفہوم شریعت کی جانب ثابت ہونے کا اعتقاد نہ ر کھاجائے۔

۲: دوسری شرط بیہ ہے کہ جس عمل کی فضیلت میں الیمی روایت وارد ہو وہ کسی دوسرے مسلمہ شرعی اصول کے تحت داخل ہو۔ ان دوشر ائط کی موجود گی میں ضعیف احادیث کا بھی ایک حد تک شرعاً اعتبار ہے اور ان کے مطابق عمل در آمد کیا جاسکتا ہے

علامہ دوانی کی سیر کتاب تو اس وقت اس ناکارہ کے پاس نہیں ہے، تاہم علامہ عبد الحی کھنوی اور علامہ جمال الدین قاسمی وغیرہ حضرات نے آپ کا تفصیلی موقف نقل فرمایا ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: علامہ لکھنوی کی کتاب"الاجویة الفاضلة" اور علامہ قاسمی کی کتاب" قواعد التحدیث"۔

'جو حضرات حدیث ضعیف کے باب میں توسع کے قائل ہیں اور اس کی بنیاد پر شرعی فضیلت اور استحباب تک ثابت ہونے کے قائل ہیں، ان میں سے بعض حضرات کے ساتھ گفت وشنید کرتے وقت ان کا بیہ تحفظ بھی معلوم ہوا کہ محقق دوانی تو محدث ہے اور نہ علم حدیث کے ساتھ اس کا کوئی خاص ربط و تعلق رباہے، اس لئے اس باب میں ان کی توجیہ کا کوئی اعتبار نہیں ہونا چاہئے۔ لیکن اس ناکارہ کے خیال میں بیہ تحفظ کچھ زیادہ لا کق التفات نہیں ہے اور محض اتنی می بات کو بنیاد بناکر ان کی اس توجیہ و تحقیق کورد کرنا قرین انصاف نہیں ہے، وہ محدث ہویانہ لیکن بہر حال اس کی توجیہ اصولی کھاظ سے بہت مناسب ہے اور علامہ کھنوی وغیرہ متعدد نامور و معتمد محدثین نے اس کی تصویب و حرج بے فرمائی ہے۔

لیکن ایسی صورت میں عمل کی فضیلت یا استحباب خود اس ضعیف حدیث ہی کی بنیاد پر ثابت نہیں ہو گابلکہ دیگر شرعی دلائل کی بنیاد پریہ عمل کرنا بہتر قراریائے گا۔

مثال کے طور پر متعدد نصوص سے اس بات کی ترغیب ثابت ہوتی ہے کہ دین کے معاملہ میں احتیاط سے کام لیاجائے، اب اگر کوئی چیز ایسی ہو کہ جس کا استحباب تو ثابت نہ ہولیکن اصل عام کے تحت داخل ہو اور ضعیف حدیث کی وجہ سے اس کے مقتضی کو شرعی لحاظ سے مستحب تونہ قرار دیاجا سکے لیکن اصل عام کے تحت ہونے کی بنیاد پر اس کی ترغیب دی جائے، تو ظاہر ہے کہ ایسا کرنا بہتر ہے اور اس کے بہتر ہونے کی اسل واساس ضعیف حدیث نہیں ہے بلکہ احتیاط سے متعلقہ نصوص ودلائل ہیں۔

علامہ ابوسعید خاد می رحمہ اللہ، فضائل کے باب میں ضعیف احادیث پر عمل بہتر قرار دینے سے متعلق، علامہ دوانی رحمہ اللہ کا اشکال نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وأورد العلامة الدواني أن مآل الفضائل راجع إلى واحد من الأحكام الشرعية فلا وجه لتقييد كالجواز والاستحباب فيلزم ثبوت نحو الاستحباب بالحديث الضعيف، وقد تقرر أن شيئا من الأحكام لا يثبت بالحديث الضعيف.

ترجمہ:"علامہ الدوانی نے ذکر کیا کہ فضائل بھی انجام کار ایک شرعی حکم کی طرف لوٹے ہیں،اس لیے جواز اور استحباب جیسے قیود لگانے کی کوئی وجہ نہیں ہے،لہذا ضعیف حدیث سے استحباب کے ثابت ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ بات واضح ہے کہ کوئی بھی شرعی حکم ضعیف حدیث سے ثابت نہیں ہوتا۔

اس کے بعد خود علامہ دوانی کے جواب کا حاصل ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

والتعويل أن يقال إن ذلك فيها لريحتمل للحظر، فإنه حينئذ يجوز ويستحب للأمن من الحظر ورجاء النفع فعمل بالاحتياط.

ترجمہ:" خلاصہ یہ کہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ جب کسی عمل میں کسی قشم کی ممانعت کا امکان نہ ہو، تو پھر اس میں جواز اور استخباب جائز ہو سکتا ہے، کیونکہ اس وقت ممانعت کا خطرہ نہیں ہو تا اور فائدے کی امید کی جاتی ہے، اس لیے احتیاطاً عمل کیا جاتا ہے "۔

علامه دواني كي توجيه يربعض تحفظات كاازاله

بعض اہلِ علم نے جن بنیادوں پر علامہ دوانی مرحوم کی اس توجیہ کو قبول کرنے سے انکار فرمایاہے، ان میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ علامہ دوانی کوئی محدث یا فقیہ واصولی نہیں تھے، ان کی زندگی معقولات کی خدمت کرتے کرتے گزری ہے، پھر یہاں اس کی توجیہ کو کیوں و قعت دی جائے 'اس کے جواب میں یہی کہنا مناسب ہے کہ:

الف: ایسا کہنا اور ایسی توجیہات کے قبول کرنے سے محض صاحب فن کی شہرت نہ ہونے کی بنیاد پر قبول نہ کرنا قطعاً ہے جابات اور بالکل خلاف انصاف و دیانت کام ہے، یہ تو اللہ تعالیٰ کی مہر بانی اور اس کا فضل و کرم ہی ہے جو کسی کو کوئی علمی گر سکھائے، جس کے دل و دماغ میں جو توجیہ بٹھائے، اس پر اشکال کرنے کا کیائک ہو سکتا ہے؟ ہاں البتہ اگر اس توجیہ میں کوئی علمی کمزوری یا اصولی سقم موجود ہے تو اس پر بات کی جاسکتی ہے اور سقم ثابت ہونے کی صورت میں اس کو قبول کیا جاسکتا ہے۔

ابريقة محمودية في شــرح طريقة محمدية وشــريعة نبوية في ســـيرة أحمدية،الباب الأول الاعتصـــام

بالكتاب والسنة،الفصل الثاني في بيان البدع،أنواع البدعة وأحكامها، ج١ص٥١٠.

^{&#}x27;احقرنے اپنے بزرگ و مخدوم حضرت مولانامفتی رضاء الحق صاحب زید مجد ہم سے اس موضوع پر مذاکرہ کیاتواس میں حضرت نے بھی یہ اشکال ذکر کیا۔

ب: یہ توجیہ صرف علامہ دوانی رحمہ اللہ ہی نے نہیں کی ، بلکہ دیگر اہل علم بھی اس کو کرتے آئے ہیں اور غالب گمان یہی ہے کہ ان اہل علم نے علامہ دوانی مرحوم کی درج بالا کتاب نہیں پڑھی۔ اس ناکارہ کا خیال ہیہ ہے کہ علامہ عبد الحی لکھنوی اور علامہ جمال الدین قاسی صاحبان رحمہااللہ، دونوں وسیج المطالعہ شخصیات تھیں ، انہوں نے اپنی اپنی کتابوں میں سے ورواج نصیب میں سے تقل کی اور وہی سے اس کو اس موضوع کی کتابوں میں شہرت ورواج نصیب ہوا، ورنہ یہ توجیہ انہی کے ساتھ خاص نہ تھی بلکہ دیگر علائے کرام بھی مختلف طریقوں سے اس کے قائل رہے ہیں۔

مثال ك طور پر حضرت مولانار شيراحم كنكوبى رحمه الله تحرير فرماتيين:
الأحاديث الواردة في فضل التطوع بعد صلاة المغرب ضعاف إلا أن الرواية الضعيفة معتبرة في فضائل الأعمال، ولا يذهب عليك أن المراد بقولهم هذا ليس اعتبار الرواية الضعيفة في كل ما ورد من الفضائل مطابقًا للأصول أو مخالفًا مثبتًا فضل العمل الجائز أو الغير الجائز حتى يرد عليه أن ذلك يخالف ما مهدوا من قاعدتهم أن الحديث الضعيف لا يثبت به حكم بل المراد أنه إذا كان الأمر جائزًا في نفسه من حيث الشرع كالنفل بعد المغرب في مسألتنا ثم وردت في إثبات فضله رولية قبلت على ضعفها فأنا لم نثبت الحكم بهذه الرواية بل فضل الصلاة مطقًا ثابت بالروايات الصحيحة، ولما رجا من الله نيل مرتبة واجتهد في تحصيله بظنه نرجو أن يناله بفضله.

الكوكب الدري على جامع الترمذي،قوله باب ما جاء في فضل التطوع، ج اص٣٨٤.

ترجمہ: "تمام وہ احادیث جو نماز مغرب کے بعد نفل کے فضائل کے بارے میں آئی
ہیں، وہ ضعیف ہیں، لیکن فضائل اعمال میں ضعیف روایت کو معتبر سمجھا جاتا ہے۔ یہ
ہات سمجھنی چاہیے کہ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ ضعیف روایت کو فضائل اعمال میں اصل قواعد
سمجھا جاتا ہے، تو مرادیہ نہیں کہ ہر ضعیف روایت کو فضائل اعمال میں اصل قواعد
کے مطابق یاان کے مخالف طور پر قبول کیا جائے، تاکہ وہ عمل جائز یانا جائز ہو کر اس
پر کوئی فضیلت ثابت کی جائے۔ اس پر اعتراض آسکتا ہے کہ یہ اس اصول کے خلاف
ہے جس میں کہا گیا ہے کہ ضعیف حدیث سے کوئی حکم ثابت نہیں ہو تا۔ دراصل بات
سہجھیں کہا گیا ہے کہ ضعیف حدیث ہے کوئی حکم ثابت نہیں ہو تا۔ دراصل بات
فضائل کے بارے میں ضعیف روایت آجائے، تواسے قبول کیا جاسکتا ہے، بشر طیکہ ہم
اس ضعیف روایت سے کوئی حکم نہ نکالیں، بلکہ اس فضیلت کو صحیح روایات سے ثابت
اس ضعیف روایت سے کوئی حکم نہ نکالیں، بلکہ اس فضیلت کو صحیح روایات سے ثابت
سمجھیں۔ اور جب انسان اللہ سے کسی مر ہے کی تو قع رکھتا ہے اور اسے حاصل کرنے
سمجھیں۔ اور جب انسان اللہ سے کسی مر ہے کی تو قع رکھتا ہے اور اسے حاصل کرنے
سمجھیں۔ اور جب انسان اللہ سے کسی مر ہے کی تو قع رکھتا ہے اور اسے حاصل کرنے
سمجھیں۔ اور جب انسان اللہ سے کسی مر ہے کی تو قع رکھتا ہے اور اسے حاصل کرنے
سمجھیں۔ اور جب انسان اللہ سے کسی مر ہے کی تو قع رکھتا ہے اور اسے حاصل کرنے
سمجھیں۔ اور جب انسان اللہ سے کسی مر ہے کی تو قع رکھتا ہے اور اسے حاصل کرتے ہوئے
سمجھیں۔ اور جب انسان اللہ عنہ کی حیثیت کیا ہے ؟اس مسکلہ کی تفصیل کرتے ہوئے
آپ تحریر فرماتے ہیں:

وأما ما يتوهم من أن الضعاف من الروايات تقبل في فضائل الأعمال -وههنا كذلك- فإن الثابت بالحديث ليس إلا بركة الغسل وهي فضيلة فالجواب عنه ما قدمنا من قبل من أن ثبوت الفضيلة إنها يكون إذا ثبت نفس ذلك العمل بنص آخر قوي بحسنه الذاتي أو باجتهاع غيره معه دون هذه الفضيلة فإنها ثبتت بالضعيف وههنا من تكلم في نفس الغسل لعدم الثبوت فله أن يتكلم في تلك الفضيلة أيضًا فأفهم، وحاصل ذلك أن ثبوت حكم ما لا يمكن

بالضعيف من الروايات، وأما رجاء المثوبة والفضيلة فممكن الثبوت بالضعاف، لما له تعالى من كرم على عباده عميم وفضل على هذه الخليفة عظيم فلا يرجى منه أن يخيب راجيًا فضله لا سيها وقد ناط عليه شغله.

ان دونول عبارات سے واضح ہوا کہ:

ا: فضائلِ اعمال میں ضعیف احادیث قبول ہونے کی بات بھی غلط نہیں اور ضعیف احادیث سے شرعی احکام کے ثابت نہ ہونے کی بات بھی درست ہے۔

الكوكب الدري،أبواب الأطعمة،باب ما جاء في أكل البطيخ بالرطب، ج٣،ص٢٥.

۲: ان دونوں باتوں کو جمع کرنے کی صورت یہی ہے کہ جہاں کسی عمل کی فضیلت صحیح شرعی دلائل سے ثابت ہو اور پھر اس کی فضیلت میں کوئی ضعیف حدیث وار دہو جائے تو اس فضیلت کو شرعی طور پر ثابت تو نہیں کہیں گے، تاہم چونکہ اصل عمل کی فضیلت ثابت ہے، اس لئے کوئی اس امید پر اہتمام کرنا چاہے تواللہ تعالیٰ کے وسیع فضل و کرم سے امید کی جاستی ہے کہ مطلوبہ در جہ حاصل ہو جائے گا۔

اب اس توجیہ کو علامہ دوانی مرحوم کی توجیہ کے ساتھ ملا کر دیکھا جائے تو دونوں میں کوئی معتد بہ فرق باقی نہیں رہتا۔

ایک مفید فقهی نظیر

حضرات فقہائے حنفیہ "حظر واباحت" کے باب میں یہ مسکلہ بھی ذکر فرماتے ہیں کہ کس فشم کے مسائل میں کن افراد کی بات معتبر ہوگی؟ مختلف حوادث میں مختلف افراد کی بات قبول کرنے نہ کرنے کا معیار کیا ہوگا؟ اس ضمن میں وہ ذکر فرماتے ہیں کہ معاملات میں ایک آدمی کی بات معتبر ہوگی چاہے وہ عادل نہ بھی ہو اور " دیانات " میں کسی کی بات معتبر ہوئی چاہے وہ عادل بھی ہو، لہذا" معاملات " میں ہر شخص کی بات قبول کی جاسکتی ہے ، وہ عادل ہویا فاسق ، جب کہ " دیانات " میں عادل شخص کی خبر واحد ہی قبول کی جاسکتی ہے ۔ وہ عادل ہویا فاسق ، جب کہ " دیانات " میں عادل شخص کی خبر واحد ہی قبول کی جاسکتی ہے۔

"ہدایہ"میں ہے:

"ويقبل في المعاملات قول الفاسق، ولا يقبل في الديانات إلا قول العدل". ووجه الفرق أن المعاملات يكثر وجودها فيها بين أجناس الناس، فلو شرطنا شرطا زائدا يؤدي إلى الحرج فيقبل قول الواحد فيها عدلا كان أو فاسقا كافرا أو مسلما عبدا أو حرا ذكرا أو أنثى

دفعا للحرج. أما الديانات فلا يكثر وقوعها حسب وقوع المعاملات فجاز أن يشترط فيها زيادة شرط، فلا يقبل فيها إلا قول المعاملات فجاز أن يشترط فيها والكافر لا يلتزم الحكم فليس له أن يلزم المسلم.

ترجمہ:" معاملات میں فاسق کا قول قبول کیا جاسکتا ہے، لیکن عبادات میں صرف عادل کا قول قبول کیا جاتا ہے۔ "اس فرق کی وضاحت سے ہے کہ معاملات لوگوں کے مختلف طبقات کے در میان بہت زیادہ ہوتی ہیں، تواگر ہم اس میں کوئی اضافی شرط لگائیں تو سے تکلیف کاباعث بن سکتا ہے، اس لیے معاملہ میں ایک شخص کا قول قبول کیا جاتا ہے چاہے وہ عادل ہو، فاسق ہو، کافر ہو، مسلم ہو، غلام ہویا آزاد، مرد ہویا عورت، تاکہ مشکلات سے بچا جاسکے۔ لیکن عبادات اتنی زیادہ نہیں ہوتی جتنی معاملات ہوتی ہیں، مشکلات سے بچا جاسکے۔ لیکن عبادات اتنی زیادہ نہیں موتی جتنی معاملات ہوتی ہیں، قبول کیا جاتا ہے، کیونکہ فاسق بدنام نا قابل اعتبار ہوتا ہے اور کافر تھم کو نہیں مانتا، لہذا قبول کیا جاتا ہے، کیونکہ فاسق بدنام نا قابل اعتبار ہوتا ہے اور کافر تھم کو نہیں مانتا، لہذا وہ مسلم پر کسی تھم کولازم نہیں کر سکتا"۔

"الاختيار" ميں ہے:

قال: (ولا يقبل في المديلنات إلا قول العدل حراكان أو عبدا، ذكرا أو أنثى) لأن الصدق فيه راجح باعتبار عقله ودينه، سيا فيا لا يجلب له نفعا ولا يدفع عنه ضررا، ولهذا قبلت رواية الواحد العدل للأخبار النبوية، وإنها اشترطنا العدالة لأنها مما لا يكثر وقوعها كثرة

الهداية، كتاب الكراهية، فصل في الأكل والشرب، ج٤،ص٣٦٤.

المعاملات، ولأن الفاسق متهم والكافر غير ملتزم لها فلا يلزم المسلم بقوله، بخلاف المعاملات. ا

ترجمہ: "عبادات میں صرف عادل کا قول قبول کیا جاتا ہے، چاہے وہ آزاد ہو یا غلام،
مر د ہو یاعورت"، کیو نکہ صدافت اس میں غالب ہوتی ہے، اس کے عقل اور دین کی
وجہ سے، خاص طور پر ایسے معاملات میں جہاں اس کو کوئی فائدہ نہ ہواور نہ ہی اس سے
کسی نقصان کا خطرہ ہو۔ اس لیے واحد عادل کی روایت کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی
احادیث میں قبول کیا گیا ہے۔ ہم نے عدلت کو اس لیے شرط بنایا ہے کہ یہ وہ چیز ہے
جو معاملات کی طرح کثرت سے وقوع پذیر نہیں ہوتی، اور کیونکہ فاسق نا قابل اعتبار
بدنام ہوتا ہے، اور کافر اس پر عمل کرنے کا پابند نہیں ہوتا، اس لیے وہ مسلم پر اس
کے قول کولازم نہیں کر سکتا۔ یہ معاملات کے بر عکس ہے "۔

غور کیاجائے تواس فقہی بحث کی روشنی میں حدیث ضعیف کا حقیقی مقام اور اس کی واقعی حیثیت واضح ہو جاتی ہے، چنانچہ اس کا تعلق بھی یقیناً" دیانات" کے ساتھ ہے اور دیانات میں عادل شخص ہی کی بات معتبر ہوتی ہے، ضعیف حدیث کے روات عام طور پر عدالت کے معیار پر پورے نہیں اترتے، اس لئے کسی چیز کو حدیث تھہر انے اور شریعت کا حصہ قرار دینے میں ان کی بات قبول نہیں کی جائے گی۔

ایک مکنه اشکال اور اس کاجواب

اس پریہ اشکال کیا جاسکتا ہے کہ "ضعف حدیث" کی وجہ صرف عد الت کا فقد ان ہی تو نہیں ہے بلکہ بعض او قات ضبط نہ ہونے وغیر ہ کی وجہ سے بھی حدیث ضعیف قرار پاتی ہے؟

الاحتيار لتعليل المختار، كتاب الكراهية،فصل في مسائل مختلفة، ج٤،ص١٦٣.

اس کا جواب ہے ہے کہ "ہدایہ "اور "اختیار" کی درج بالا دونوں عبار تول سے عدالت کی شرط لگانے کی اصل واساس واضح ہو جاتی ہے کہ فسق تہمت کا باعث ہے اور فاسق مقہم ہو تاہے، اس لئے خبر دینے والے کا عادل ہونا ضروری ہے ورنہ اس کی بات قبول نہیں کی جائے گی۔ اب دیانات کی جو مثالیں حضرات فقہائے کرام اس ضمن میں ذکر فرماتے ہیں مثال کے طور پر پانی کا پاک وناپاک ہونا، جانور کا شرعی طریقے سے ذرج ہونانہ ہونا، وہاں تو عادل ہونے سے ہی ہے تہمت زائل ہو جاتی ہے کہ یہ چیزیں مشاہدہ کی ہیں، کیونا، وہاں تو عادل ہونے سے ہی ہے تہمت زائل ہو جاتی ہے کہ یہ چیزیں مشاہدہ کی ہیں، کین روایات کے باب میں محض عدالت سے یہ ضرورت پوری نہیں ہوتی بلکہ ضبط کی بھی ضرورت پڑتی ہے، جہاں عدالت یاضبط مشکوک ہو، وہاں تہمت کی فضاء بر ابر بر قرار رہتی ضرورت پڑتی ہے، جہاں عدالت یاضبط مشکوک ہو، وہاں تہمت کی فضاء بر ابر بر قرار رہتی ہونا بھی ضروری ہے۔ اس لئے روایات کے باب میں صرف عدالت کا ہونا ہی کا فی نہیں بلکہ ضبط و غیرہ کا ہونا بھی ضروری ہے۔

ائمه محدثين كى عبارات سے استدلال كا تجزيه

جو حضرات ضعیف حدیث کو اپنی واقعی حدسے کچھ زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور محض اس کی بنیاد پر بھی کسی عمل کو مستحب یاافضل قرار دیتے ہیں، وہ عام طور پر استدلال میں متعدد ائمہ محدثین کرام کے اقوال وعبارات ذکر کرتے ہیں اور ان عبارات کی بنیاد پر ان کا خیال ہے ہے کہ یہ امت کا اجماعی یا کم از کم اکثری موقف رہاہے۔ ان جیسی عبارات کو سیاق وسباق کے ساتھ دیکھنے اور بار بار غور کرنے سے واضح ہوجاتا ہے کہ ان میں سے اکثر عبارات ایسی ہیں جن سے یہ استدلال کرنا"اصول استدلال" کی روشنی میں بالکل درست نہیں۔ اس کی وجہ ہیہ کہ ان میں سے اکثر عبارات ایسی ہیں جن میں یہ مضمون بیان فرمایا گیاہے کہ:

ا:ضعیف احادیث وروایات پر بعض مخصوص ابواب میں یا یوں ہی بلا قید عمل کیاجاسکتاہے۔

۲: ضعیف حدیث بھی فضائل اعمال میں قابل اعتبار ہے۔

۳: فضائل اعمال وغیرہ بعض مخصوص ابواب کے اندر ضعیف احادیث میں بھی تساہل و تسام سے کام لے لیناچاہئے۔

۴: ضعیف احادیث کے مضمون پر عمل کرنامستحب ہے۔

ان میں سے پہلی تین قسم کی عبارات توالی ہیں جو اپنے دعوی کے ساتھ کوئی زیادہ مطابقت نہیں رکھتیں۔ حدیث کے مضمون پر عمل کے جائز ہونے یا اس میں تسامح و تساہل کرنے سے بیہ بالکل بھی لازم نہیں آتا کہ وہ احکام کے باب میں ججت قرار پائے، اسی طرح" قابل اعتبار" ہونا بھی جیت کے متر ادف یا اس کے ساتھ متلزم نہیں، بلکہ اس کے مختلف درجات ومر اتب ہیں جن میں جیت سے کم تر بھی درجہ بھی ہے۔

ہاں البتہ چوتھی قتم کی عبارات ایسی ہیں جن کوبادی النظر سے دیکھاجائے تواسد لال درست ہوسکتا ہے بلکہ بسااو قات لگتا ہے کہ یہ عبارات اس باب میں صریح معلوم ہوتی ہیں، لیکن غور کیاجائے تو اس میں بھی یہ اختمال موجود ہے کہ یہ استخباب خود اسی ضعیف حدیث کی بنیاد پر ثابت ہو یا اس سے تو کوئی شرعی حکم ثابت نہ ہو بلکہ صرف شک ہی ثابت ہو، تاہم دین وعبادات کے باب میں احتیاط، مسارعت اور تنافس جیسی نصوص کی بنیاد پر احتیاط کے درجہ میں یہ استخباب ثابت ہو؟ تفاہم اور تبادر کے لحاظ سے یہ احتمال اگر بنیاد پر احتیاط کے درجہ میں یہ استخباب ثابت ہو؟ تفاہم اور تبادر کے لحاظ سے یہ احتمال اگر کے کمزور بھی محسوس ہو، تو بھی چونکہ اصولی لحاظ سے یہی صورت درست معلوم ہوتی ہے، اس لئے اسی کولینا انسب ہے۔

جيت اور عمل كافرق

حاصل میہ ہے کہ ضعیف روایات کے مفہوم پر عمل کرنے اور اس کو ججت قرار دیئے میں فرق ہے، جن عبارات کو بنیاد بنا کر ضعیف احادیث کی بنیاد پر اعمال کا استحباب اور ان کے مختلف فضائل ثابت کئے جاتے ہیں، ان میں عمل کرنے کاذکر ہے، الیمی روایات کی جیت ہونے کی بات نہیں، کسی چیز پر عمل کرنے اور اس کو ججت سیجھنے میں بڑا فرق ہے، ان دونوں باتوں میں فرق نہ کرنے کی وجہ سے بڑی غلط فنمی پیدا ہو جاتی ہے۔

دونوں پہلوؤں کے فوائد ومفاسد کا تجزیاتی مقارنہ

دیگر باتوں سے صرف نظر کرتے ہوئے خالص علمی واصولی نقطہ نظر سے غور کیا جائے کہ حدیث ضعیف پر عمل کرنے میں کیا دینی فائدہ یا مفسدہ ہے اور نہ کرنے میں کیا مفرت و نفع ہے؟ اگر عمل کرنے میں ان شر ائط کالحاظ رکھاجائے جو جمہور اہل علم نے متعین فرمائی ہیں اور اس عمل کو بھی حدود کے اندر رکھاجائے تو اس میں خاطر خواہ مفرت توکوئی نہیں، البتہ فائدہ بہے کہ ایک مکنہ نیکی کا ثواب حاصل کیاجا تا ہے، یہاں عمل سے ان شر ائط کے بغیر عمل کرنام ادہے۔

حدیث ضعیف پر عمل کرنے میں:

الف: فائدہ میہ ہے کہ ممکنہ شرعی دلیل پر عمل کرنے کی نوبت حاصل ہوجاتی ہے، ممکنہ نیکی پر عمل کرنے کی سعادت ہاتھ آجاتی ہے۔ یہاں دونوں جگہ "ممکنہ"اس لئے کہا کہ خبر ضعیف چونکہ شرعی احکام میں ججت نہیں،اس لئے اس کی بنیاد پر کسی عمل کو نیکی قرار دیاجاسکتا ہے اور نہ ہی اس کو شرعی دلیل کا درجہ دیاجاسکتا ہے۔ ب: نقصان میہ ہے کہ خود عمل کرنے والا بھی، دیگر لوگ بھی اس کو دینی حکم کا درجہ دیں گے، اس کو شریعت کا حکم یا اس کی طرف سے بیان کی گئی فضیلت کا مرتبہ دیں گے، جو خدا اور سول پر افتر اء، دین میں ابتداع کے متر ادف یا اس کا مستوجب ہے۔

حدیث ضعیف پر عمل نه کرنے میں:

الف: نقصان بیہ ہے کہ ایک مکنہ ثواب سے آدمی محروم رہ جاتا ہے۔

ب: فائدہ یہ ہے کہ دین کی حفاظت ہو جاتی ہے، عمل کرنے کی صورت میں جن بڑے اور خطرناک گناہوں کا اندیشہ تھا، ان سے حفاظت نصیب ہو جاتی ہے۔

ان دونوں پہلوؤں کو انصاف وا تقان کی نظر سے دیکھاجائے تو عمل کرنے کی صورت میں جس نقصان کا اندیشہ ہے وہ اس کے فائدہ سے کہیں بڑھ کرلائق التفات ہے، کیونکہ مکنہ نیکی پر عمل کرنا اور متوقع ثواب و فضیلت کو حاصل کرنا اس قدر اہم نہیں، جتنا ان نقصانات سے احتراز کرنا اہم ہے جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ ساتھ بیہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہئے کہ فضائل کے باب میں اگر صحیح (لعینہ ، لغیرہ) اور حسن (لعینہ ، لغیرہ) روایات ہی پر اگر اکتفاء کی جائے تو بھی کوئی نقصان نہیں آئے گا، بلکہ ایسی مقبول روایات کی میں فضائل وغیرہ کا اس قدر ذخیرہ موجود ہے جس کے ہوتے ہوئے ضعیف روایات کی طرف جانے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی، امام مسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَلَا أَحْسِبُ كَثِيرًا مِنَ يُعَرِّجُ مِنَ النَّاسِ عَلَىٰ مَا وَصَفْنَا مِنْ هَذِهِ الْأَحَادِيثِ الضِّعَافِ، وَالْأَسَانِيدِ المُجُهُولَةِ وَيَعْتَدُّ بِرِ وَايَتِهَا بَعْدَ مَعْرَفَتِهِ بَهَا فِيهَا مِنَ التَّوَهُّنِ وَالضَّعْفِ، إلَّا أَنَّ الَّذِي يَحْمِلُهُ عَلَىٰ مَعْرَفَتِهِ بَهَا فِيهَا مِنَ التَّوَهُّنِ وَالضَّعْفِ، إلَّا أَنَّ الَّذِي يَحْمِلُهُ عَلَىٰ

رِ وَايَتِهَا وَالإِعْتِدَادِ بِهَا إِرَادَةُ التَّكَثُّرِ بِذَلِكَ عِنْدَ الْعَوَامِّ، وَلِأَنْ يُقَالَ: مَا أَكْثَرَ مَا جَمَعَ فُلَانٌ مِنَ الْحَدِيثِ، وَأَلَّفَ مِنَ الْعَدَدِ

ترجمہ: "مجھے نہیں لگتا کہ بہت سے لوگ جو ان ضعیف احادیث اور مجہول اسناد کاذکر کرتے ہیں اور ان کی روایت کو معتبر سمجھتے ہیں، حالا نکہ وہ جانتے ہیں کہ ان میں کمزوری اور ضعف ہے، سوائے اس کے کہ ان کا مقصد عوام میں اپنی شہرت بڑھانا ہوتا ہے، تاکہ یہ کہا جاسکے کہ فلال شخص نے کتنی زیادہ احادیث جمع کی ہیں اور کتنی بڑی تعداد میں تصنیف کی ہے۔ "

اس کے بالمقابل دوسر سے پہلو کو دیکھاجائے تو عمل نہ کرنے کی صورت میں نقصان تو کوئی معتد بہ نہیں، تاہم فائدہ بڑاہے کہ دین کی حفاظت ہو جاتی ہے، اس لئے اسی پہلو کو اختیار کرناہی زیادہ بہتر بلکہ ضروری معلوم ہو تاہے۔

اصحيح مسلم، مقدمة الامام مسلم رحمه الله، باب ما تصح به رواية الرواة بعضهم عن بعض---، ج١، ص٢٨.

باب سوم

- علاء ہند کاموقف
- حضرت مولانار شيداحمد گنگو ہى رحمه الله كاموقف
 - علامه ظفراحمه عثاني رحمه الله كاموقف
 - علامه شبيراحمه عثاني رحمه الله كاموقف
 - مفتى رشيراحمد لد هيانوي رحمه الله كاموقف
 - مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ الله کاموقف

باب سوم:

علماء هند كاموقف

خالص علمی اور دینی مسئلہ کی بحث و تحقیق میں کسی خاص علاقے / ملک / جماعت کا مستقل عنوان قائم کرنا طبیعت کے مقتضی کے خلاف ہے،اس لئے اخیر تک اس سے احتراز ہی کر تار ہا، تاہم کتاب تیار ہوجانے کے بعد ایک خاص مصلحت کی وجہ سے اس عنوان کو یہاں ذکر کیا گیا۔

خیر، ہندوستان (پاک، ہند وبنگال) کے اہل علم میں سے جن حضرات کا علوم فقہ اور حدیث دونوں کے ساتھ تعلق رہا، ان میں سے اکثریت کا" حدیث ضعیف" کے متعلق یہی موقف رہاہے کہ اس کی وجہ سے کسی شرعی حکم کو ثابت کرنا تو کسی طرح درست نہیں، تاہم فضائل میں مشروط طور پر اس پر عمل کیا جاسکتا ہے جیسا کہ پہلے حضرت حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کے حوالہ سے ذکر کیا جاچکا ہے۔ یہاں علماء ہند میں سے بعض اہل علم کی عبارات پیش کی جاتی ہیں۔

حضرت مولانار شيداحمر گنگو بهی رحمه الله کاموقف

نماز مغرب کے نفل پڑھنے کی بعض روایات میں ترغیب وارد ہوئی ہے،البتہ متعدد محد ثین کرام کی تحقیق کے مطابق ان روایات میں "ضعف" ہے، اس کے متعلق آپ فرماتے ہیں:

الأحاديث الواردة في فضل التطوع بعد صلاة المغرب ضعاف إلا أن الرواية الضعيفة معتبرة في فضائل الأعمال، ولا يذهب عليك أن المراد بقولهم هذا ليس اعتبار الرواية الضعيفة في كل ما ورد من

الفضائل مطابعًا للأصول أو مخالفًا مثبتًا فضل العمل الجائز أو الغير الجائز حتى يرد عليه أن ذلك يخالف ما مهدوا من قاعدتهم أن الحديث الضعيف لا يثبت به حكم بل المراد أنه إذا كان الأمر جائزًا في نفسه من حيث الشرع كالنفل بعد المغرب في مسألتنا ثم وردت في إثبات فضله رواية قبلت على ضعفها فأنا لرنثبت الحكم بهذه الرواية بل فضل الصلاة مطقًا ثابت بالروايات الصحيحة، ولما رجا من الله نيل مرتبة واجتهد في تحصيله بظنه نرجو أن يناله بفضله. ١ ترجمہ:"تمام وہ احادیث جو نماز مغرب کے بعد نفل کے فضائل کے بارے میں آئی ہیں، وہ ضعیف ہیں، لیکن فضائل اعمال میں ضعیف روایت کو معتبر سمجھا جا تا ہے۔ یہ بات سمجھنی چاہیے کہ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ ضعیف روایت کو فضائلِ اعمال میں معتبر سمجھا جاتا ہے، تو مر ادیہ نہیں کہ ہر ضعیف روایت کو فضائل اعمال میں اصل قواعد کے مطابق باان کے مخالف طور پر قبول کیا جائے، تا کہ وہ عمل جائز بانا جائز ہو کر اس یر کوئی فضیلت ثابت کی جائے۔اس پر اعتراض آسکتاہے کہ بیراس اصول کے خلاف ہے جس میں کہا گیاہے کہ ضعیف حدیث سے کوئی تھم ثابت نہیں ہو تا۔ دراصل بات بہ ہے کہ اگر کوئی عمل خود شرعاً جائز ہو، جیسے مغرب کے بعد نفل نماز پھراس کے فضائل کے بارے میں ضعیف روایت آجائے، تواسے قبول کیا جاسکتا ہے، بشر طیکہ ہم اس ضعیف روایت سے کوئی حکم نہ زکالیں، بلکہ اس فضیلت کو صحیح روایات سے ثابت ستجھیں۔ اور جب انسان اللہ سے کسی مرتبے کی تو قع رکھتا ہے اور اسے حاصل کرنے کے لیے محنت کرتاہے، توہم امید کرتے ہیں کہ وہ اللہ کے فضل سے اسے یائے گا"۔

الكوكب الدري على جامع الترمذي،قوله باب ما جاء في فضل التطوع،ج١ص٣٨٤٣

علامه ظفراحمه عثاني رحمه الله

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمه الله نے اپنی مفید وضخیم کتاب "اعلاء السنن" کے مقدمے میں اس بات پر مستقل فصل قائم فرمایا کہ حدیث ضعیف پر عمل کرنے کا کیا حکم ہے؟ اس کے تحت "در مختار" اور "حاشیہ ابن عابدین" کی عبارات سے تائید و تقریر کے طور پر یہی موقف ذکر کیا۔ "در مختار" کی جس عبارت کو حضرت نے تقریر کے طور پر نقل فرمایا ہے، وہ یہ ہے:

[فائدة]شرط العمل بالحديث الضعيف عدم شدة ضعفه، وأن يدخل تحت أصل عام، وأن لا يعتقد سنية ذلك الحديث. ٢

ترجمہ:"[فائدہ]ضعیف حدیث پر عمل کرنے کی شرط یہ ہے کہ اس کاضعف شدید نہ ہو، وہ کسی عام اصول کے تحت آتا ہو، اور اس حدیث کو سنت سمجھ کر عمل نہ کیا جائے"۔

علامه شبيراحمه عثاني رحمه اللد

موصوف نے "صحیح مسلم" پر اپنے ضخیم شرح" فتح الملہم "میں اس موضوع پر مخضر کلام فرمایاہے، ضعیف حدیث پر عمل کرنا درست ہے یا نہیں؟ اس کے متعلق تینوں مواقف نقل فرمائے ہیں، پھر اس کے متعلق مختلف اہل علم کی کتابوں سے چند عبارات ذکر کئے ، ان سے یہ بات تو پوری طرح واضح نہیں ہوتی کہ آپ کی تحقیق میں کونسا قول زیادہ درست اور رانج ہے؟ تاہم آپ نے حدیث ضعیف کے ساتھ اس کے بیان ضعف کوضر وری قرار دیاہے، نیز بحث کا خاتمہ امام نووی رحمہ اللہ کی ایک عبارت پر کیاہے جس

١ إعلاء السنن، الفصل الثالث في حكم العمل بالحديث الضعيف وشرائطه، ج١ ص٩٠.

[ً] الدر المختار، كتاب الطهارة، سنن الوضوء، ج١،٥٠٨٠-

میں یہ بات ذکر کی گئی ہے کہ ضعیف حدیث کو صیغہ جزم کے ساتھ آپ مُلُوالْيُوَّمُ کی جانب منسوب کرنا ممنوع ہے،ایسا کرنے والا شخص بھی"کاذب کے معنی" میں ہے،اس سے آپ کاموقف بڑی حد تک واضح ہو جاتا ہے!

مفتى رشيد احمد لد هيانوي رحمه الله

آپ کے "فآویٰ" میں ہے:

"ضعیف حدیث پر عمل کرنے میں مندرجہ ذیل مفاسد ہیں:

ا۔۔اس میں پیشر طہے کہ اس عمل کوسنت نہ سمجھا جائے۔

اور حال یہ ہے کہ عوام تو در کنار خواص بلکہ مشہور علماء اور مقتداء حضرات بھی ایسے اعمال کو سنت سمجھتے ہیں ،بالخصوص شنخ عبدالحق وہلوی رحمہ اللہ کی کتاب "ماثبت

بالسنة "كانام وكيوكر اس ميس مذكوره سب اعمال كو مسنون سمجما جاتا ہے، حالا تكه اس

میں بھی اکثر روایات اسی قشم کی ہیں۔

۲۔ یہ شرط بھی ہے کہ روایت ضعیفہ سے کوئی حکم شرعی ثابت نہ کی جائے۔

اور اعتقاد فضیلت حکم شرعی ہے،البتہ خیال فضیلت حکم شرعی نہیں۔

سا۔ بیپشر طبھی ہے کہ روایت میں ضعف شدید نہ ہو۔

اور فضائل سے متعلقہ اکثر روایات کا حال ہے ہے کہ صرف ضعیفہ شدیدہ ہی نہیں ،بلکہ موضوعہ ہیں، بیشتر کے موضوعہونے کی تواصحاب فن نے تصریح فرمائی ہے اور بقیہ کے بارے میں بھی بوجوہ ذیل یہی ظن غالب ہے۔"

ا فتح الملهم بشرح صحيح الإمام مسلم، ج١ص٦٥٦.

احسن الفتاوي، تتمه، عمل بالحديث الضعيف مين مفاسد، ج• اص ١٢٣

مفتى محمود حسن كنگوبى رحمه الله

آپ کے مجموعہ فاوی "فاوی محمودیہ" میں اس موضوع سے متعلق متعدد جوابات مذکور ہیں، ان میں سے پچھ ایسے بھی ہیں جن میں فضائل کے باب میں ضعیف حدیث پر عمل کرنے کی اجازت دی گئی اور صراحت کے ساتھ اس کے لئے پچھ شرائط ذکر نہیں کئے، لیکن بعض جگہ یہ شرائط بھی ذکر فرمائے ہیں، چنانچہ ایک جگہ سوال یہ کیا گیاہے کہ حدیث منقطع کو معرض استدلال میں ذکر کیاجاسکتاہے اوراس کی بنیاد پر کسی عمل کے ندب واستحباب کو ثابت کیاجاسکتاہے؟ مطبوعہ نسخہ میں اس سوال وجواب پر "حدیث ضعیف سے استدلال کی شرائط "کاعنوان لگایا گیاہے۔

اس کے جواب میں آپ نے امام نووی رحمہ اللہ کی "تقریب" اور علامہ سیوطی رحمہ اللہ کی شرح" تدریب الراوی "سے عبارتیں نقل فرمائی ہیں جن کاحاصل ہیہ ہے کہ فضائل کے باب میں (ایسی) ضعیف روایات پر عمل کرنے کی گنجائش ہے، تاہم اس میں چند شر ائط کی رعایت رکھنا ضروری ہے۔ ا

مولاناسر فرازخان صفدر رحمه الله

آپ اپنی مشهور کتاب "راهِ سنت "میں تحریر فرماتے ہیں:

" بير كهد ديناكه فضائل اعمال مين هر قسم كى حديث غير مشر وط طور پر ججت هوتى ہے، قطعا غلط ہے۔ امام قاضى ابن العربي المالكيُّ (الهوفى ١٩٣٣هـ هـ) وغير ه توضعيف حديث كے متعلق فرماتے ہيں "لا يعمل به مطلقا" (القول البدليع ص١٩٥) مطلقا اس پر عمل صحيح

ا فتاوی محودید، جهاص ۳۶

نہیں ہے۔ اور جو عمل کرتے ہیں وہ شرطیں لگاتے ہیں۔ چنانچہ امام ابن دقیق العیداً (المتوفی م ۱۷ مے) لکھتے ہیں:

العمل بالحديث الضعيف مقيد بشر وط(امام، ٢٥، ص ١٥) ضعيف مديث پر عمل كرناچند شرطول سے مقيد ہے۔

وہ شرطیں کیاہیں۔ امام سخاوی (التوفی ۲۰۹ھ) اپنے شیخ حافظ ابن حجر ؓ کے حوالہ سے کھتے ہیں کہ:

أن شرائط العمل بالضعيف ثلاثة، الأول متفق عليه أن يكون الضعف غير شديد فيخرج من أنفرد من الكذابين والمتهمين بالكذب ومن فحش غلطه، الثاني أن يكون مندرجاً تحت أصل عام فيخرج ما يخترع بحيث لا يكون له أصل أصلاً، الثالث أن لا يعتقد عند العمل بع ثبوته لئلا ينسب إلى النبي – صلى الله عليه وسلم ما لم يقله (القول البديع في الصلاة على الحبيب الشفيع (ص: ٥٥٢))

ترجمہ: "ضعیف حدیث پر عمل کرنے کی تین شرطیں ہیں اول جو تمام حضرات محدثین میں متفق علیہ ہے کہ حدیث زیادہ ضعیف نہ ہو۔ لہذا جس حدیث میں کوئی کذاب یا متہم بالکذب یا ایباراوی منفر دہو جو زیادہ غلطی کا شکار ہوا ہو تواس کی ضعیف حدیث معمول بہ نہ ہوگی۔ دوم یہ کہ عام قاعدہ کے تحت درج ہو، اس سے وہ خارج ہوگئ جس کی کوئی اصل نہ ہو اور محض اختراع کی گئی ہو۔ سوم عمل کرتے وقت یہ اعتقاد نہ کرلیا جائے کہ یہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے تاکہ آپ کی طرف ایسی بات منسوب نہ ہو جائے جو آپ نے نہیں فرمائی۔"

اس سے معلوم ہوا کہ اگریہ شرطیں مفقود ہوں توروایت ہر گز قابل عمل نہ ہوگی۔
اور آخری شرط توخاص طور پر قابل لحاظہ کیونکہ جو چیز وثوق کے ساتھ آنحضرت صلی
اللّٰہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں، اس کو آپ کی طرف منسوب کرنا اور پھر اس کو ثابت ماننا
سنگین جرم ہے اور یہ درجہ اول کی متواتر حدیث "من کذب علی" (الحدیث) کے
بظاہر خلاف ہے۔

حضرت مولاناعبدالحي لكھنوي رحمه الله لکھتے ہیں كه:

وأما العمل بالضعيف في فضائل الاعمال فضائل فدعوى الاتفاق فيه باطلة نعم هو مذهب الجمهور لكنه مشروف بأن لا يكون الحديث ضعيفا شديد الضعف فإن كان كذالك لم يقبل في الفضائل ايضا(الآثار المرفوعة في الأخبار الموضوعة، ص ٣١٠)

ترجمہ: فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر بالاتفاق عمل کا دعوی کرنا باطل ہے۔ ہاں جمہور کا یہ مذہب ہے۔ مگر اس میں شرط یہ ہے کہ حدیث سخت ضعیف نہ ہو ورنہ فضائل اعمال میں بھی قابل قبول نہیں ہے۔"

اس کے چند سطر بعد لکھتے ہیں:

"خلاصہ بیہ نکلا کہ فضائل اعمال میں ہر ضعیف حدیث قابلِ عمل نہیں ہے بلکہ اس کے لیے حضرات محدثین کے نزدیک چند شرطیں ہیں۔" ا

المنهاج الواضح يعني راه سنت،ص: • ۲۴۲ تا ۲۴۴

باب چبارم:

- موضوع سے متعلق کچھ اشکالات وشبہات اور ان کامنصفانہ جائزہ
 - پہلااشکال: محدثین نے روایت کیوں کیں؟
 - امام نووي رحمه الله كالمفصل جواب
 - علامه لکھنوی کی وقیع توجیه
- دوسر ااشکال: فقہائے کرام نے ضعیف احادیث سے استدلال فرمایا ہے
 - تیسر ااشکال:احتمال ثبوت کے باوجود کیوں قبول نہ کریں؟
 - چوتھااشكال: قرآن نے توخيرِ فاسق كومستر دنہيں كيا!
 - علامه شاطبی رحمه الله کی تحقیق
 - یانچوال اشکال: ضعیف اور موضوع میں فرق نہیں رہ جاتا
 - ضعیف اور موضوع میں فروق
 - چھٹااشکال: ہز اروں احادیث سے محرومی کا قضیہ
 - ساتواں اشکال: فضائل کے متعلق اعتاد کرنے میں کیا حرج ہے؟
 - آٹھواں اشکال: احکام کے علاوہ ابواب میں مذمت کیوں؟
 - نوال اشکال: ضعف میں اختلاف کے وقت معیار کیاہو گا؟
 - دسوال اشکال: کیاییه "تشدّد"ہے؟
- گیار ہواں اشکال: بعض ضعاف تووا قعات کے مطابق ثابت ہو جاتے ہیں!
 - بار ہواں اشکال:اکابر کی کتابوں میں ضعیف روایات کیوں؟

باب چہارم:

موضوع سے متعلق کچھ اشکالات وشبہات اور ان کامنصفانہ جائزہ

ضعیف روایات سے متعلق یہاں جو موقف ذکر کیا گیا ہے،اس سے متعلق مختلف اشکالات و شبہات پیش آتے ہیں، یہال ان میں سے اہم اشکالات کا جائزہ لینے کی کوشش کی جاتی ہے تا کہ مسئلہ پوری طرح بے غبار اور منتج ہو جائے۔

پہلااشکال:محدثین نے روایت کیوں کیں؟

اگر ضعیف احادیث واقعة قابل استدلال نہیں ہیں، ان کی وجہ سے شرعی احکام ثابت ہوسکتے ہیں اور نہ ہی اس کی بناء پر کسی فضیلت کو شریعت کی جانب منسوب کیا جاسکتا ہے، تو پھر محدثین کرام نے اپنی اپنی کتابوں میں ان احادیث کو نقل کیوں کیا؟ اس حیثیت کو نشلیم کرنے کے بعد ان کاان جیسی روایات کو نقل کر ناصر ف بے فائدہ ہی نہیں بلکہ دین سمجھتے ہیں اور اس پر احکام و فضائل لیاظ سے مصر معلوم ہو تا ہے کیونکہ لوگ تواس کو دین سمجھتے ہیں اور اس پر احکام و فضائل دونوں ابواب میں عمل بھی کرتے ہیں!

جواب:

محدثین کرام (شکر اللہ مساعیم وجہودہم) کا نقل کرنا بے فائدہ ہے اور نہ ہی مضر۔اس حوالہ سے درج ذیل نکات پر غور کیاجائے توبیہ دعوی صاف ہوجائے گا:

ا: بعض او قات کسی حدیث کاضعف کسی محدث / مؤلف کو معلوم نہیں ہو تا۔

کا: احادیث کی تضیح، تحسین اور تضعف کا معاملہ ایک اجتہادی معاملہ ہے جس میں تمام ماہرین فن کا اتفاق کرنا ضروری نہیں ہے، بسا او قات کوئی حدیث کسی محدث کے نزدیک توضعیف ہوتی ہے لیکن دو سرول کے نزدیک وہ حسن ہوتی ہے۔

۳: اسنادی لحاظ سے ضعیف روایات کی بعض صور تیں الی ہیں جو تعدد طرق یا تلق بالقبول کی وجہ سے قابل استدلال بن جاتی ہیں، اور ہر محدث/مؤلف کا نقل و تالیف کے وقت حدیث کے تمام طرق پر اطلاع حاصل کرناضر وری نہیں ہے، اس لئے تدوین کے وقت مناسب یہی تھا کہ تمام روایات کو جمع کرنے کی کوشش کی جائے، بعد میں وقت مناسب یہی تھا کہ تمام روایات کو جمع کرنے کی کوشش کی جائے، بعد میں ویکھاجائے جوروایات ضعیف ثابت ہوں، ان کے طرق کو دیکھاجائے کہ ضعف کی تلافی ہوجاتی ہے یانہیں؟

؟: حضرات محد ثین کرام کی اصل ذمه داری احادیث کی نقل وروایت اور ان کی جانچ و پڑتال ہے، ان کا فرضِ منصبی بید تھا کہ حضور صَّا اللّٰیہ اُلّٰ کی طرف منسوب تمام امور کو امت کی طرف پہنچائیں اور اس میں صحیح وسقیم کا کوئی معقول معیار مقرر فرمائیں۔ بید کام انہوں نے اس قدر خوبی ونفاست سے انجام دیا کہ انسانیت کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ اس کے بعد بید قضیہ کہ کونسی حدیث کس حد تک قابل احتجاج ہے؟ بید کام حضرات فقہاء کرام کا ہے، الہذا حضرات محد ثین کرام پر اس حوالہ سے اشکال کرنااس لئے درست نہیں ہے کہ بید ان کا فرضِ منصبی تھا اور اس سے اگر کوئی غلط فہمی کا خدشہ ہے تو اصول حدیث کا فن اس کے ازالہ کے لئے کافی ہے جو انہی حضرات محد ثین کا کارنامہ ہے۔ شاید کہی وجہ ہے جس کی بنیاد پر بہت سے محد ثین کرام کے یہاں بیات شہرت پائٹی کہ "من کسی فقد اُحالک"۔

علامہ خطیب بغدادی رحمہ اللہ حضرت سفیان توری رحمہ اللہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ: " إِنِّي لَأَكْتُبُ الْحَيْدِثَ عَلَىٰ ثَلَاثَةِ وُجُوهِ: فَمِنْهُ مَا أَتَدَيَّنُ بِهِ، وَمِنْهُ مَا أَعْتَبُ لِهِ، وَمِنْهُ مَا أَعْتَبُ لَأَعْرِفَهُ ". ا

ترجمہ: "میں حدیث کو تین طریقوں پر لکھتا ہوں: ان میں سے پچھ الی ہوتی ہیں جن پر میں عمل کرتا ہوں، پچھ الیم ہوتی ہیں جن سے میں عبرت حاصل کرتا ہوں، اور پچھ الیم ہوتی ہیں جو میں اس لیے لکھتا ہوں تا کہ میں انہیں پچپان سکوں۔"

امام نووي رحمه الله كالمفصل جواب

امام نووی رحمہ اللہ نے "شرح مسلم "میں امام مسلم رحمہ اللہ کے ایک صنیع کی بنیاد پر یہی اشکال اٹھایا ہے اور پھر اس کا تفصیلی جواب ذکر فرمایا، وہ فرماتے ہیں:

قد ذكر مسلم رحمه الله في هذا الباب أن الشعبي روئ عن الحارث الأعور وشهد أنه كاذب وعن غيره حدثني فلان وكان متها وعن غيره الرواية عن المغفلين والضعفاء والمتروكين فقد يقال لرحدث هؤلاء الأئمة عن هؤلاء مع علمهم بأنهم لا يحتج بهم ويجاب عنه بأجوبة

ترجمہ:"امام مسلم رحمہ اللہ نے اس باب میں ذکر کیا ہے کہ امام شعبی ؓ نے الحارث الأعور سے روایت کرنے کے الاعور سے روایت کرنے کے بعد فرمایا کہ وہ مشتبہ تھا، اور دیگر غافلوں، ضعیف اور متر وک افراد سے بھی۔ تو جب ان سے یہ سوال ہوا کہ بیا ائمہ ان لوگوں سے کیوں روایت کرتے ہیں حالا نکہ انہیں

ا الجامع لأخلاق الراوي وآداب الســامع للخطيب البغدادي،وأُمَّا أُحَاديثُ الضَّـعَافِ وَمَنْ لَا يُعْتَمَدُ عَلَى رِوَلَيْتِهِ فَتُكْتَبُ لِلْمَعْرِفَةِ وَأَنْـلَا تُقْلَبَ إِلَى أَحَادِيثِ الثِّقَاتِ وَيُعْتَبَرُ بِهَا أَيْضَــَّا غَيْرُهَا مِنَ الرِّوَايَاتِ، جَ٢ص ٩٣. علم تھا کہ ان کی روایت پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا؟ اس کا جواب مختلف طریقوں سے دیا حاسکتاہے"۔

اس اشکال کو ذکر کرنے کے بعد آپ نے اس کے چار جو ابات ذکر فرمائے ہیں جن کو چار جو ابات کی بجائے چار مختلف وجو ہات کا عنوان دینا شاید زیادہ مفید ہو، ان چار وجو ہات کا عنوان دینا شاید زیادہ مفید ہو، ان چار وجو ہات کا عاصل وخلاصہ بیہ ہے کہ حضرات محدثین اپنی کتابوں میں ضعیف روایات یا تواس کئے ذکر کرتے ہیں کہ:

ا: تا کہ روایت محفوظ کرنے کے بعد اس پر غور کریں، جانچ وپڑتال کرنے کے بعد اس کی واقعی حیثیت واضح کریں تا کہ لوگ التباس میں نہ رہیں۔

۲: ضعیف احادیث سے بعض او قات "اعتبار" و"استشہاد" کا کام لیاجا سکتا ہے، اس مقصد کے لئے بسااو قات الیی روایات نقل کی جاتی ہیں۔

۳: ضعیف راوی کی تمام روایات کا ضعیف ہونا ضروری نہیں، بسا او قات اس کی مرویات میں بھی صحیح اور حسن احادیث مل جاتی ہیں، توایسے راویوں کی روایات اس لئے نقل کی جاتی ہیں تا کہ اصول حدیث کے ضوابط کے مطابق اس پر غور کیا جاسکے۔ یہی وجہ ہے کہ امام سفیان توری رحمہ اللہ نے ایک بار "کلبی" سے روایت کرنے سے منع کیا، کسی نے پوچھا کہ تم خود تو اس سے روایت کرتے ہو (پھر ہمیں کیوں روکتے ہو؟) آپ نے جو اب دیا کہ: میں اس کی سچائی اور دروغ گوئی میں تمیز کر سکتا ہوں (آپ نہیں کرسکتے)۔ امام ترمذی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

حدثنا إبراهيم بن عبد الله بن منذر الباهلي، أخبرنا يعلى بن عبيد قال قال لنا سفيان الثوري اتقوا الكلبي. فقيل له إنك تروى عنه. قال أنا أعرف صدقه من كذبه.

ترجمہ:"ابراہیم بن عبداللہ بن مندر البابلی اپنی سندسے سفیان توری سے نقل کرتے ہے کہ:"کلبی سے بچو۔" تو ان سوال ہوا: "آپ تو اس سے روایت کرتے ہیں؟" تو انہوں نے جواب دیا: "مجھے اس کے سچ اور جھوٹ کاعلم ہے۔"

۴: بسا او قات ترغیب وتر ہیب، فضائل اعمال، فقص و تاریخ و مکارم اخلاق جیسی ابواب میں ضعیف روایات نقل کی جاتی ہیں جن کے ساتھ کوئی شرعی حکم متعلق نہیں ہوتا،ان ابواب میں ضعیف حدیث پر بعض شر ائط کے ساتھ عمل کیاجاسکتا ہے۔

ان چار ابواب کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:

وعلى كل حال فإن الأئمة لا يروون عن الضعفاء شيئا يحتجون به على انفراده في الأحكام فإن هذا شيء لا يفعله إمام من أئمة المحدثين ولا محقق من غيرهم من العلماء.

ترجمہ:"بہر حال ائمہ محدثین ضعیف روایات کو کسی بھی صورت میں بطور جت احکام میں استعال نہیں کرتے ہیں، کیونکہ یہ ایساکام نہیں ہے جو کسی بھی امام یا محقق عالم سے سر زد ہو۔"

۱ سنن الترمذي ت بشار، ج٦ص٢٣٧.

تشرح النووي على مسلم،باب بيان أن الإسناد من الدين وأن الرواية لا تكون إلا عن الثقات،فرع في جملة المسائل والقواعد التي تتعلق بهذا الباب،ج١ص٥٢. اس کے بعد ذکر فرماتے ہیں کہ حضرات محدثین کرام کے کام پر تواس حوالہ سے کوئی اشکال نہیں ہوتا، البتہ اگر کوئی فقیہ اس سے شرعی احکام پر استدلال کرتاہے اور محض ان جیسی ضعیف احادیث کی بناء پر شرعی احکام کا استخراج کرتاہے توالبتہ یہ اقدام کرناایساہے جس کی حوصلہ شکنی ہی ہونی چاہئے۔ فرماتے ہیں:

وأما فعل كثيرين من الفقهاء أو أكثرهم ذلك واعتهادهم عليه فليس بصواب بل قبيح جدا وذلك لأنه إن كان يعرف ضعفه لم يحل له أن يحتج به فإنهم متفقون على أنه لا يحتج بالضعيف في الأحكام وإن كان لا يعرف ضعفه لم يحل له أن يهجم على الاحتجاج به من غير بحث عليه بالتفتيش عنه إن كان عارفا أو بسؤال أهل العلم به إن لم يكن عارفا.

ترجمہ: "جو بہت سے فقہاء یازیادہ تران میں سے ایسا کرتے ہیں اور اس پر اعتاد کرتے ہیں، یہ صحیح نہیں ہے بلکہ یہ بہت غلط ہے۔ کیوں کہ اگر وہ اس کی کمزوری کو جانے ہیں تو ان کے لیے اس سے استدلال کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ تمام علاء متفق ہیں کہ ضعیف حدیث سے احکام میں استدلال نہیں کیا جاسکتا۔ اگر انہیں اس کی کمزوری کا علم نہیں تھا، تو ان کے لیے اسے بغیر شخقیق کیے اور اس کی جانچ کیے دلیل کے طور پر پیش کرنا جائز نہیں ہے، چاہے وہ خود عالم ہوں یا پھر اگر وہ عالم نہیں ہیں تو اس بارے میں اہل علم سے سوال کرناضر وری ہے۔"

لمشرح النووي على مسلم،باب بيان أن الإسناد من الدين وأن الرواية لا تكون إلا عن الثقات،فرع في جملة المسائل والقواعد التي تتعلق بمذا الباب،ج١ص٣٦١.

علامه لكھنوى كى وقع توجيه

علامه لکھنوی رحمہ اللہ نے بھی اپنی مفید کتاب"الاجوبة الفاضلة" میں یہ اشکال ذکر فرمایا ہے اور پھر اس کامخضر و پُر مغز جواب دیا ہے۔ فرماتے ہیں:

فإنَّ قلتَ: فما بالهم أوردوا في تصانيفهم الأحاديث الموضوعة مع جلالتهم ونباهتهم ولم أرَّ ينقدوا الأسانيد مع سعة علمهم؟ قلت: لم يوردوا ما أوردوا مع العلم بكونه موضوعا بل ظنّوه مرويًا وأحالوا نقد الأسانيد على نقّاد الحديث لكونهم أغنوهم عن الكشف نقد الأسانيد على نقّاد الحديث لكونهم أغنوهم عن الكشف الحثيث إذ ليس مِن وظيفتهم البحثُ عنَّ كيفية رواية الأخطار وإنّا هو مِن وظيفة حملة الأثار فلكلّ مقام مقال ولكلّ فن رجال. مقام مقال ولكلّ فن رجال. وتجمد: "الركوئي يه اعتراض كرے كه كيول الل علم نے اپني تصانيف عيم موضوع تامور يشته والے تقوادر ان كے علم عيم احاديث ذكر كرتے ہيں، عالائكه وه بڑے مقام وم تبه والے تقوادر ان كے علم عيم وسعت تقى؟ اور كيول انہول نے اسادكي نقر نہيں كى، عالائكه ان كاعلم بہت وسيع تقا؟ توجواب يہ ہے كه: انہول نے جو احاديث ذكر كير، وه اس علم كے ساتھ نہيں كي كہ وہ موضوع ہيں، بلكه انہيں يہ گمان ہوا كہ يہ روايات صحيح ہيں۔ اور اسادكي نقر كاكم محد ثين پر چھوڑا، كيونكه وه اس كام عيم ميں ماہر تقوادروہ اس بات سے بچنے كے ليے كاكم محد ثين پر چھوڑا، كيونكه وہ اس كام عيم ميں ماہر تقوادروہ اس بات سے بچنے كے ليے اس تقیق ہے آزاد تھے۔ ان كى ذمه دارى يہ نہيں تھى كه وہ ہر كمزور دوايت كى اس تقصيل عيم عائمن، بلكه يه كام آثار كے حاملين كا تقا، كيونكه ہر مقام كے ليه مخصوص بات اور ہر فن كے ليه مخصوص لوگ ہوتے ہیں۔"

الأجوبة الفاضلة، ص٥٥.

دوسر ااشکال: فقہائے کرام نے ضعیف احادیث سے استدلال فرمایا ہے

دوسرااشکال، جس کواشکال کی بجائے شبہ کانام دینازیادہ مناسب معلوم ہوتاہے، جو عام طور پر اس موضوع کے حوالہ سے اٹھایاجا تاہے، وہ یہ ہے کہ حضرات فقہائے کرام نے دو نہیں بلکہ مجموعی طور پر دسیوں جگہوں میں ضعیف احادیث سے استدلال فرمایاہے اوران پر شرعی احکام کا بھی مدار رکھاہے، قدیم اور متاخر دونوں قسم کی فقہی کتابوں سے اس کی متعدد مثالیں پیش کی جاستی ہیں۔ فقہائے کرام کااس طرح استدلال واحتجاج اس بات کی دلیل ہے کہ ضعیف احادیث احکام کے باب میں بھی شرعاً معتبر ہیں اوران سے احکام کا استخراج واستنباط درست ہے۔ یہ شبہ بہت سے اہل علم کے لئے بھی غلط اوران سے احکام کا استخراج واستنباط درست ہے۔ یہ شبہ بہت سے اہل علم کے لئے بھی غلط منہی کا باعث بنا ہے۔

جواب:

اس کا اصولی جواب ہے ہے کہ اصل چیز جس کی رعایت رکھ لینی چاہئے، وہ اصل وضابطہ ہے، کسی عمل کی وجہ سے قاعدہ وضابطہ کو متاثر کرنا ہمارے فقہائے حفیہ کے اصولی منہے کے منافی ہے، لہذا جب بیہ ضابطہ مقرر ہے کہ ضعیف حدیث سے شرعی احکام کا استنباط واستخراج درست نہیں ہے جیسا کہ انجی تک کی تفصیل سے پوری طرح واضح ہوا، تواس کے بعد اگر بعض فقہائے کرام کے چند ایسے استدلالات سامنے آتے ہیں جس کی عمارت واقعۃ کسی حدیث ضعیف ہی پر استوار ہو تواس کی وجہ سے قاعدہ کو غیر ضروری قرار دینا یا خلافِ ضابطہ اس کی تحدید و تقیید کرنے کی بجائے اصل کرنے کاکام یہی ہے کہ اس استدلال پر کلام کیا جائے۔

یہ تواصولی نوعیت کا جواب ہے ، باقی یہ بات اہلِ فن سے پوشیدہ نہیں ہے کہ حدیث کی تصحیح وتضعیف کا معاملہ ایک اجتہادی معاملہ ہے جس میں اربابِ فن اور اصحابِ اجتہاد کا اختلاف بے جانہیں ہے، لہٰذااگر ایک محدث یا مجہد کے نزدیک کوئی حدیث ضعیف ہے، توضر وری نہیں ہے کہ دوسر ول کے نزدیک بھی اس حدیث کی یہی حیثیت ہو اور وہ بھی اس سے بالکل ہی استدلال نہ کریں بلکہ ممکن ہے کہ اس کے علمی ذوق، فنی رسوم اور مقررہ ضوابط کے مطابق وہ روایت ضعیف نہ ہو بلکہ صحیح یا حسن ہو۔

فقہائے کرام کی کتابوں میں ضعیف حدیث سے استدلال واستنباط کی جو مثالیں پیش کی جاتی ہیں ، ان میں عموماً ہوتا یہی ہے کہ ایک محقق کے نزدیک کوئی حدیث ضعیف ہوتی ہے اور پھر اس کو وہی حدیث کسی فقہی کتاب میں نظر آتی ہے جس سے کسی فقہی مسئلہ پر استدلال بھی ہوا ہو تاہے تو یہ محقق اس سے یہی نتیجہ نکالتا ہے کہ یہاں توضعیف حدیث سے فقہی مسئلہ پر استدلال کیا گیا ہے '۔

حالانکہ اس نتیج کے نکالنے سے پہلے اس بات کا طے کرنا بھی ضروری تھا کہ کیا استدلال کرنے والے فقیہ کے نزدیک بھی اس حدیث کی یہی حیثیت تھی اور وہ بھی اس کو ضعیف ہی سمجھتا تھایا نہیں؟ اگر جو اب نفی میں ہے جیسا کہ عام طور پر ہو تاہے تو یہ نتیجہ نکالنا ہی درست نہیں ہے ورنہ تو بعض فقہی کتابوں میں شدید ضعیف، بے اصل اور موضوع روایات بھی مذکور ہیں اور ان کو بھی کسی بات کے معرضِ استدلال میں ذکر کیا گیاہے حالانکہ ایس روایات کسی کے نزدیک بھی قابل احتجاج نہیں ہیں۔ اور اگر اس

ا ہمارے حضرت مفتی رضاء الحق صاحب زید مجد ہم کی افادات پر مشتل کتاب "الجزء اللطیف فی الاستدلال بالحدیث الضعیف" میں مختلف اہل علم کے ہاں ضعیف حدیث کی جیت پر جو دلائل اور مثالیس ذکر فرمائی گئیں ہیں ، ان میں سے بیشتر اس قبیل سے ہیں۔ اسی طرح علامہ احمد بن الصدیق الغماری رحمہ اللہ نے بھی اہل علم کی کتابوں ، ان کے مشدلات سے اسی نوعیت کا استدلال فرمایا ہے اور ان تجبہ یہ نکالا ہے کہ ضعیف حدیث کی جیت پر تمام ائمہ وائل علم منفق ہیں ، ان کے علاوہ بھی بہت سے معاصرین کی کتابوں میں یہی طرز استدلال مذکور ہے۔ حالا نکہ اصولی کی ظرے ایسا ستدلال بالکل مخدوش ہے جس کی وجوہات اوپر درج کی گئیں ہیں۔

سوال کاجواب اثبات میں ہے اور وہ فقیہ روایت کو ضعیف سیحھنے کے باوجود بھی اس سے شرعی احکام پر استدلال کرتاہے توبہ بے جا استدلال ہے جس کی وجہ سے اصل قاعدے کی حیثیت متاثر نہیں ہوتی۔ امام نووی رحمہ اللہ کی عبارت کو ایک بار پھر دیکھنا مفیدہے، فرماتے ہیں:

وأما فعل كثيرين من الفقهاء أو أكثرهم ذلك واعتهادهم عليه فليس بصواب بل قبيح جدا وذلك لأنه إن كان يعرف ضعفه لم يحل له أن يحتج به فإنهم متفقون على أنه لا يحتج بالضعيف في الأحكام وإن كان لا يعرف ضعفه لم يحل له أن يهجم على الاحتجاج به من غير بحث عليه بالتفتيش عنه إن كان عارفا أو بسؤال أهل العلم به إن لم يكن عارفا.

ترجمہ: "جو بہت سے فقہاء یاز یادہ تر ان میں سے ایسا کرتے ہیں اور اس پر اعتماد کرتے ہیں، یہ صحیح نہیں ہے بلکہ یہ بہت غلط ہے۔ کیوں کہ اگر وہ اس کی کمزوری کو جانتے ہیں تو ان کے لیے اس سے استدلال کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ تمام علماء متفق ہیں کہ ضعیف حدیث سے احکام میں استدلال نہیں کیا جاسکتا۔ اگر انہیں اس کی کمزوری کا علم نہیں تھا، تو ان کے لیے اسے بغیر شخقیق کیے اور اس کی جانچ کیے دلیل کے طور پر پیش کرنا جائز نہیں ہے، چاہے وہ خود عالم ہوں یا پھر اگر وہ عالم نہیں ہیں تو اس بارے میں اہل علم سے سوال کرناضر وری ہے۔"

۱ مر تخریجه.

تیسر ااشکال: احتمالِ ثبوت کے باوجود کیوں قبول نہ کریں؟

اس پر عام طور پر بیہ شبہ کیا جاتا ہے کہ حدیث کسی وجہ سے ضعیف سہی، لیکن اس میں بیہ احتمال توہے کہ راوی اس کو ٹھیک ٹھیک روایت کررہا ہو اور وہ بات واقعۃ مضور مَلَّا اَلَّیْرَا ہِ ہے ثابت ہو،اگر راوی فاسق یا جموٹا بھی ہو تو بھی جموٹے شخص کی تمام باتوں کا جموٹا ہو ناضر وری نہیں ہے بلکہ اغلب یہی ہے کہ کچھ با تیں اس کی سچی بھی ہوں تو اس احتمال کے ہوتے ہوئے کیوں خواہ اس روایت کورد کر دیا جائے؟

اس کا جواب ہے ہے کہ جب ثبوت اور عدم ثبوت دونوں چیزوں کا اختال پیدا ہوا تو دونوں کا اعتبار نہیں ہونا چاہئے اور اب "اصل" کی طرف مر اجعت کرنی مناسب ہے اور اقوال وافعال چونکہ عوارض وحوادث میں سے ہے جن میں اصل عدم ہے، لہذا اس کے مطابق عدم ثبوت ہی کو اصل ورائح قرار دیا جائے گا جبکہ ثبوت کے لئے کوئی تسلی بخش دلیل موجود نہ ہو۔

چوتھااشکال: قرآن نے توخبرِ فاسق کومستر دنہیں کیا!

حدیث ضعیف کے متعلق ذکر کر دہ تحقیق پر درج ذیل آیت کریمہ کی بنیاد پر بھی شبہ کیاجا تاہے، قرآن کریم میں ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِتٌ بِنَهَا فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ ﴾. ا

ا سورة الحجرات، رقم الآية: ٦.

ترجمہ:"اے ایمان والواگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی سی خبر لے کر آئے تواس کی سختی کیا کر آئے تواس کی سختی کیا کر آئے تواس کی سختی کیا کر و کہ کہیں کسی قوم پر بے خبر می سے نہ جاپڑو پھر اپنے کئے پر پشیمان ہونے لگو"۔

اس آیت کریمه میں فاسق کی بات کورد کردینے کا حکم نہیں دیا گیا بلکه اس میں شخفیق و تغیش کرنی و تبیین کا حکم دیا گیا ہے کہ اگر فاسق شخص خبر دیدے تو اس کی شخفیق و تغیش کرنی ضروری ہے تو پھر ضعیف حدیث کو کیوں یکسر مستر دکر دیاجا تا ہے اور شریعت کی جانب اس کی نسبت ہی نہیں کی جاتی ؟ حضرت مولانا قاری طیب صاحب درج بالا آیت کریمه کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"اس سے واضح ہے کہ شخص واحد کی خبر اس کے فاسق ہونے کے باوجود بھی معتبر اور جمت ہونے کی شان رکھتی ہے بشر طیکہ تحقیق میں آ جائے۔۔حاصل میہ نکلا کہ شخص واحد کی خبر بھی قر آنی اصول پر قابلِ ردیا غیر معتبر نہیں بلکہ تبیین و تحقق کے بعد معتبر اور بڑے بڑے معاملات میں جمت ہو جاتی ہے۔ الخ"

المجموعه رسائل حكيم الاسلام، رساله" حديثِ رسول كا قر آنی معيار "ج اص ٩٦.

حدیث کو ضعیف قرار دیاجائے تو اس میں تحقیق کی یہی صورت متصور ہوسکتی ہے کہ قرائن وشواہد سے اس بات کا ثبوت تلاش کیا جائے کہ اس روایت کا مضمون حضور مَنَّا اللَّهِ عَلَیْ اللّٰ ا

معامله کی غیر معمولی نزاکت

اس بات میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ کسی چیز کو متعارف معنی میں حدیث کہنا ہی حضور مَنْ اللّٰیٰ اللّٰمِ کی طرف منسوب کرنا ہے اور حضور مَنْ اللّٰیٰ اللّٰمِ کی طرف کوئی اللّٰی بات منسوب کرنا،جو آپ مَنْ اللّٰهِ اللّٰمِ اللّٰمُ اللّٰمِ اللّٰمُ اللّٰمُ اللّٰمُ اللّٰمُ اللّٰمِ اللّٰمُ الللّٰمُ اللّٰمُ الل

"مَنْ قَالَ عَلَيَّ مَا لَرُ أَقُلُ فَلْيَتَبَوَّأُ مَقْعَدَهُ مِنَ النار".

ترجمہ:" جو شخص مجھ پر الی بات کہے جو میں نے نہیں کی، وہ اپنی جگہ جہنم میں بنالے "۔

الصحيح ابن حبان - محققا،فَصْلُ ذكرُ إِيجَابِ دُحُولِ النَّارِ لِمَنْ نَسَبَ الشَّيْءَ إِلَى الْمُصْطَفَى صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ غَيْرُ عَالِمٍ بِصِحَّتِهِ، ج اصَ ٢١٤. ال يرعلامه ابن حبان في باب باندها به: " فَصْلُ ذِكْرُ إِيجَابِ دُخُولِ النَّارِ لِمَنْ نَسَبَ الشَّيْءَ إِلَى الْمُصْطَفَى صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ غَيْرُ عَالِمِ بِصِحَّتِهِ"

اس کے بعد ایک اور باب " ذِکُرُ خَبَرٍ ثَانٍ یَدُلُّ عَلَى صِحَةِ مَا ذهبنا إلیه "بانده کر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی کی دوسری مر فوع روایت نقل فرما کی ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا:

"كَفَى بِالْمُرْءِ إِنَّهُا أَنَّ يحدث بكل ما سمع". ا

ترجمہ:"" آدمی کے گناہ گار ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ ہر سنی ہوئی بات کو بیان کرے۔"

درج بالا پہلی روایت سے معلوم ہوا کہ جو بات حضور مُلُا اللّٰی کے نہ فرمائی ہواوروہ ان کی طرف کوئی منسوب کرے، توبہ گناہ کبیرہ اور موجبِ نار ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ حضور مُلُا اللّٰی کُلِم منسوب کی جانب صرف اور صرف وہی بات منسوب کی جاسکتی ہے جو آپ مَلُّ اللّٰی کُلِم کُلُم ک

اصحيح ابن حبان – محققا،ذكْرُ خَبَر ثَانَ يَدُلُّ عَلَى صحَّة مَا ذهبنا إليه، ج اص ٢١٤.

ومقبول نہ ہو اور جو چیز اس در جے میں ثابت نہ ہو، وہ حضور صَلَّى اللَّهُ عَلَيْ است نہیں ہے، لہٰذ ااس کی نسبت حضور صَلَّى اللَّهُ عَلَیْ اللّٰ کَا جانب نہیں ہو سکتی۔

علامه شاطبى رحمه الله كي تحقيق

علامہ شاطبی نے اہل برعت کے مآخذ و مشدلات میں سے ایک بیہ بھی ذکر فرمایا ہے کہ وہ ضعیف اور واہی قسم کی احادیث سے استدلال کرکے بدعات کی عمارت استوار کرتے ہیں، اس کے ضمن میں آپ نے حدیث ضعیف کی اصولی حیثیت پر مخضر گفتگو فرمائی اوراس ضمن میں محدثین کے منہ کی بھی وضاحت فرمائی ہے۔اس میں وہ ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:

وَلُوْ كَانَ مِنَ شَأْنَ أَهِلِ الإِسلامِ الذَّابِّينِ عَنْهُ الأَخذ مِنَ الأَحاديثِ بِكُلِّ مَا جَاءَ عَنْ كُلِّ مَنْ جَاءً، لَرَيكُنُ لِانْتِصَابِهِمْ لِلتَّعْدِيلِ وَالتَّجْرِيحِ مِعْنَى مَعْنَى مَعَ أَنهم قَدْ أَجْعُوا عَلَى ذَلِكَ ... وَلَا كَانَ لِطَلَبِ الإِسنادِ مَعْنَى يَتَحَصَّلُ، فَلِذَلِكَ جَعَلُوا الإِسناد مِنَ الدِّينِ وَلَا يَعْنُونَ: عَنَى فُلانٌ عَنْ فُلانٌ عَنْ فُلانٍ " مُجَرَّداً ، بَلُ يُرِيدُونَ ذَلِكَ لَمَا تضمَّنه مِنْ مَعْرِفَةِ الرِّجَالِ اللَّذِينَ يحدَّث عَنْهُمْ، حتى لا يسند عن مجهول، ولا مُعرَّح، ولا متهم، ولا عَمَّن لا تَحْصُلُ الثَّقَةُ بِرِوَايَتِهِ الأَن رُوحَ مُحَرَّد اللَّهُ اللَّهُ عَلَيْهِ فِي الظَّنِّ مِنْ غَيْرِ رِيبَةٍ أَن ذَلِكَ الحَديثَ قَدْ قَالَهُ النَّي صَلَى اللَّهُ عَلَيْهِ فِي الشَّرِيعَةِ، وَنُسُنِدَ إِليهِ النَّيْ صَلَى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَيْعَتَوِدَ عَلَيْهِ فِي الشَّرِيعَةِ، وَنُسُنِدَ إِليهِ النَّيْ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَيْعَتَوِدَ عَلَيْهِ فِي الشَّرِيعَةِ، وَنُسُنِدَ إِليه النَّيْ صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا عَلَيْهِ فِي الشَّرِيعَةِ، وَنُسُنِدَ إِليه النَّيْ صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا عَلَيْهِ فِي الشَّرِيعَةِ، وَنُسُنِدَ إِليه الللَّيْ مَا اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْمَعْمِ عَلَيْهِ فِي الشَّرِيعَةِ، وَنُسُنِدَ إِليه

اس کے چند سطر بعد وہ اس موضوع کے حوالہ سے ایک غلط فنہی کا ازالہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: تحریر فرماتے ہیں:

وَلَا يُقَالُ: إِنهم يُرِيدُونَ أَحكام الُو جُوبِ وَالتَّحْرِيمِ فَقَطُ؛ لأَنا نَقُولُ: هَذَا تَحَكُّمٌ مِنْ غَيْرِ دَلِيلٍ، بَلِ الأَحكام خَمْسَةٌ. فَكَمَا لَا يثبت الوجوب إلا بالصحيح، كذلك الندب والإباحة وغيرهما لا تثبت إلا

ا الاعتصام للشاطي ت الشقير والحميد والصيني،الباب الرابع في مأخذ أهل البدع في الاستدلال، فَصْلٌ ،ج٢ص ١٥. بِالصَّحِيحِ فإذا ثَبَتَ الْحُكْمُ فَاسْتَسُهِلَ أَن يَثْبُتَ فِي أَحاديث التَّرُغِيبِ وَالتَّرُهِيب، وَلَا عَلَيْكَ.

ترجمہ:"اگر کوئی یہ کہے کہ جمہور کے نزدیک صرف واجب اور حرام احکام مر ادہے؟
توبہ بات درست نہیں، کیونکہ کہ یہ دلیل کے بغیر محض سینہ زوری ہے، بلکہ دراصل
احکامات کل پانچ ہیں۔ جیسے کہ واجب صرف صحیح حدیث سے ثابت ہوتا ہے، اسی
طرح مستحب، اباحت اور دیگر احکام بھی صرف صحیح حدیث سے ثابت ہوتے ہیں۔
چنانچہ جب حکم ثابت ہوجائے، تو آسانی سے یہ قبول کیا جا سکتا ہے کہ یہ ترغیب اور
تر ہیب کی حدیثوں میں بھی ثابت ہوجائے، اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ:

الف: اگر ہر قسم کی احادیث کو قابلِ عمل سمجھاجائے تو اسناد سے متعلقہ فنون کا فائدہ نہیں رہے گا۔

ب: کسی چیز کو تبھی شریعت کی جانب منسوب کیاجاسکتا ہے جبکہ غالب گمان کے مطابق وہ حضور نبی اکرم مُنگانی کی خابت ہو جبکہ ضعیف احادیث میں ایسا غالب گمان حاصل نہیں ہو تا،اس لئے اس پر شرعی احکام کا مدار بالکل نہیں رکھاجاسکتا۔

ج: یہ جو کہاجا تاہے کہ ضعیف روایات سے شرعی احکام ثابت نہیں ہوسکتے ،اس سے تمام احکام مراد ہیں اور شریعت کے احکام خمسہ میں سے کوئی حکم بھی ضعیف حدیث کی بنیاد پر ثابت نہیں ہوتا، صرف وجوب یا تحریم مراد نہیں ہے۔

ا الاعتصام للشاطبي ت الشقير والحميد والصيني بالباب الرابع في ملخذ أهل البدع في الاستدلال، فَصْلٌ ، ج٢ص ٣١.

پانچوال اشكال: ضعيف اور موضوع ميں فرق نہيں رہ جاتا

حدیث ضعیف کے بارے میں جب بیہ بات کی جاتی ہے کہ اس سے شرعی احکام ثابت نہیں ہوسکتے اور اس کو جزم کے ساتھ حضور منگا اللیم احادیث موضوع احادیث کے ہم اس طرح توضعیف احادیث موضوع احادیث کے ہم بلہ "بن جاتی ہیں حالا نکہ دونوں قسم کی احادیث میں فرق ہے، متعدد داہل علم نے اس اشکال کی بنیاد پر ضعیف احادیث کے بارے میں "تبائح" کرنے کی ترغیب و تاکید فرمائی ہے۔
کی بنیاد پر ضعیف احادیث کے بارے میں "تبائح" کرنے کی ترغیب و تاکید فرمائی ہے۔
اس کا جواب بیہ ہے کہ بلا شبہ ضعیف احادیث بالکل موضوع احادیث کی طرح نہیں ہیں بلکہ دونوں میں متعدد فروق موجود ہیں لیکن جس طرح ضعیف احادیث میں "تشدید" سے کام لے کر بیہ فروق ختم ہوجاتے ہیں اور انجام کار ضعیف اور موضوع روایات باہم مل جاتی ہیں ، یوں ہی اس سلسلہ میں "تبائح" سے کام لے کر بھی ضعیف روایات باہم مل جاتی ہیں ، یوں ہی اس سلسلہ میں "تبائح" سے کام لے کر بھی ضعیف احادیث کا واقعی مقام و حیثیت بر قرار نہیں رہتی بلکہ وہ اپنی جگہ سے بڑھ کر حسن احادیث کے ساتھ ملحق ہوجاتی ہیں ، لہذا جس طرح ہے جا" تشدید" کرنا خلاف اصل اقدام ہے کے ساتھ ملحق ہوجاتی ہیں ، لہذا جس طرح ہے جا" تشدید" کرنا خلاف اصل اقدام ہے یوں ہی ہے قید "تبائے" برتنا بھی خلاف ضابطہ کام ہے ، اعتدال کاراستہ دونوں کے بھی تھے۔

اعتدال کا وہ راستہ یہ ہے کہ ضعیف احادیث وروایات کونہ بالکل موضوع روایات کے سانچے میں رکھاجائے اور نہ ہی اس کو حسن احادیث تک پہنچایاجائے بلکہ دونوں کے سانچے میں رکھاجائے۔کسی چیز کی تقسیم کرنے اور باہم اقسام بنانے کا اساسی یمی فائدہ ہو تاہے کہ اقسام کے در میان اپنی ذات یا متعلقہ احکام کے اعتبار سے فرق و تغایر ہے، اب اگر حدیث ضعیف بھی قابل استدلال واحتجاج ہے اور اس سے بھی شرعی احکام ثابت ہوسکتے ہیں گو صرف استخباب ہی ہو تو پھر اس تقسیم کا کیا فائدہ ہوا؟ اگر بہ

کہاجائے کہ ضعیف احادیث بھی قابل احتجاج ہے تاہم صحیح اور حسن روایات سے مقام ورتب میں کم بیں تو یہ اہل علم کے اس اتفاق کے خلاف ہے ، جس کی بنیاد پر انہوں نے حدیث کی یہ تقسیم فرمائی ہے اور صحیح اور حسن کو مقبول احادیث میں جبکہ ضعیف کو غیر مقبول احادیث میں درج فرمایاہے!

ضعیف اور موضوع میں فروق

بہر حال ضعیف اور موضوع روایات یکساں نہیں ہیں بلکہ دونوں میں متعدد فروق ہیں جن میں سے کچھ یہ ہیں:

ا: موضوع احادیث کو "حدیث "کاعنوان دیکربیان کرناجائز نہیں ہے جب تک اس کے موضوع ہونے کی وضاحت نہ کی جائے جبکہ ضعیف احادیث میں جمہور اہل علم کے نزدیک ہر جگہ اس طرح وضاحت کرناضر وری نہیں۔

۲: موضوع احادیث کو مجازاً ہی حدیث کہاجا تاہے، ورنہ موضوع جب من گھڑت کانام ہے تواس کو حدیث کہنا ہی درست نہیں ہے، ایسی روایات کسی طرح بھی جحت نہیں ہیں جبکہ ضعیف احادیث بعض او قات "تعدد طرق" وغیرہ کی وجہ سے قابل استدلال بن جاتی ہیں ادران سے شرعی احکام بھی ثابت ہوسکتی ہیں۔

۳: ضعیف احادیث فضائل میں مشروط طور پر قبول کی جاسکتی ہیں جبکہ موضوع روایات بہر حال مقبول نہیں۔

چھٹااشکال:ہزاروں احادیث سے محرومی کا تضیہ

ضعیف احادیث کے قبول نہ کرنے کی جب بات کی جاتی ہے تواس پر ایک اشکال میہ کیا جاتا ہے کہ اس طرح تو سینکڑوں / ہز ارول احادیث سے ہاتھ دھونا پڑے گا، کتب حدیث میں الیی روایات کی کمی نہیں ہے بلکہ تقریباً تمام تر ابواب میں دسیوں احادیث

الیی مل جاتی ہیں جو اسادی لحاظ سے ضعیف ہوتی ہیں، اب اگر یہ کہاجائے کہ ضعیف احادیث سے شریعت کی کوئی بات ثابت نہیں ہوتی توان تمام روایات سے سبکدوش ہونا پڑے گاجوبڑی محرومی کی بات ہے۔

اس کاجواب ہے ہے کہ جس طرح ہے پہلو اہم ہے یوں ہی اس مسکے کا دوسر ا پہلو بھی قابل النفات ہے، چنانچہ اگر شرعی دلائل سے بہ بات ثابت ہوجاتی ہے کہ ضعیف احادیث شرعی جست نہیں ہیں تواس کے باوجود اس سے شرعی امور ثابت کرنااور اس کو شرعی جت کا درجہ دینا کس قدر جمارت کی بات ہے! اس طرح تو بہت سی الی باتوں کو حدیث اور شریعت کا حصہ نہیں ہیں ۔ اب صدیث اور شریعت کا حصہ نہیں ہیں ۔ اب ضعیف احادیث کو ججت تسلیم نہ کرنے سے اگر بہت سے "روایات "سے سبکدوش ہونا پڑتا ہے تو یوں ہی اس کو قابل احتجاج تسلیم کرنے کی تقدیر پر بہت سے غیر شرعی امور کو شریعت ماننا پڑے کم درجہ مذموم کام نہیں ہے۔

اصل بات میہ ہے کہ ہر بات کو اپنی واقعی دائرہ کار میں رکھنا ضروری ہے، ضعیف احادیث کا اپناواقعی درجہ وہی ہے جس پرجمہور اہل علم کا بیان وعمل رہاہے کہ محض الیی روایات کی بناء پر دین کی کوئی بات ثابت نہیں ہوتی، تاہم فضائل اعمال میں مشروط طور پر ان سے استفادہ کیا جاسکتا ہے، اب اس درجے سے ضعیف روایات کو بڑھانا بھی درست نہیں اور گھٹانا بھی درست نہیں۔

ساتواں اشکال: فضائل کے متعلق اعتماد کرنے میں کیاحرج ہے؟

ترغیب اور تر ہیب کی حد تک اعتاد کرنے میں کیا حرج ہے؟ جب کہ محدثین کرام نے بھی اس کی صراحت فرمائی ہے اور عملی سطح پر بھی وہ ان روایات سے ان ابواب میں استفادہ کرتے ہیں! اس کاجواب میہ ہے کہ جمہور محدثین کرام کے نزدیک واقعۃ ان ابواب میں ضعیف احادیث سے استفادہ کرنا درست ہے تاہم میہ استفادہ بھی چند شرائط کے ساتھ مشروط ہے، جن کی تفصیل اس کتا بچے میں پہلے ذکر کی گئی ہے۔ کسی چیز کو شرط تھہر انے کا مطلب یہی ہو تاہے کہ وہ مدار حکم ہے، اگر وہ موجود نہ ہو تو متعلقہ حکم موجود نہیں ہو تا، لہذا اگر وہ شر ائط موجود نہ ہوں تو فضائل و ترغیب کے باب میں بھی ان روایات سے استفادہ کرنا درست نہیں ہوگا۔

اس کے تناظر میں جب ہم معاشر ہے کی عملی صورت حال کو دیکھتے ہیں تواس ناکارہ کا تجربہ یہی ہے، جس کی متعدد اہل علم نے تائید و توثیق بھی فرمائی ہے، کہ ضعیف روایات کو بیان کرتے وقت اور فضائل میں ان سے استفادہ کرتے وقت متعلقہ شر ائط کا عموما کوئی کاظ نہیں رکھاجاتا، بلکہ ان شر ائط کی رعایت رکھے بغیر ہی الیی روایات کو نقل کیاجاتا ہے اور ان پر عمل کیاجا تا ہے، تاہم اس بات کی حیثیت اِس کمترین کے تجربے ومشاہدے کی ہے جو کسی پر مسلط کرنا مقصود نہیں، اس لئے اگر کوئی صاحب علم کہیں ان شر ائط کا عملی سطح پر لحاظ ورعایت دیکھے اور وہ اس پر مطمئن بھی ہو کہ اس کے بیان کرنے کے نتیج میں خود اس سے اور سامعین کرام سے کوئی کو تاہی عمل میں نہیں آئے گی بلکہ وہ ان شر ائط کی اچھی طرح پابندی کے ساتھ ہی ان روایات کو لیں گے تو ایس صورت میں بیان کرنے میں مضائقہ نہیں۔

آ ٹھوال اشکال: احکام کے علاوہ ابواب میں مذمت کیوں؟

بعض او قات اس پر ایک به اشکال بھی کیاجا تاہے کہ ترغیب وترهیب یا فضائل اعمال تواحکام شرعیہ نہیں ہیں تو پھر ان میں به شر ائط کیوں لگائی جاتی ہیں جبکہ ان ابواب میں ضعیف احادیث کو تسلیم بھی کیاجائے تو بھی اس کی وجہ سے کسی شرعی حکم کا اضافہ نہیں ہوجاتا، پھر اس کی مذمت کیوں کی جاتی ہے!اوراس میں اتنی شرائط کیوں لگائے جاتے ہیں؟

اس کا جواب ہے ہے کہ یہاں جواصل ممانعت ومذمت کا نکتہ ہے وہ ہے کہ محض طعیف احادیث کی بنیاد پر کسی چیز کو "شریعت کی جانب منسوب کرنا"اوراس کو "حضور نبی اکرم مُنَّا اللّٰهِ اللّٰهِ کَا قول و عمل قرار دینا" جائز نہیں، یہ "نسبت الی الشرع" بنیادی" مناطِ ذم و منع "ہے، شرعی حکم قرار دینے کی اصل واساس بھی یہی ہے اوراس کی مذمت و ممانعت کی بڑی وجہ بھی یہی ہے کہ کسی چیز کو حکم شرعی قرار دینا"نسبت الی الشرع" کو ممانعت کی بڑی وجہ بھی یہی ہے کہ کسی چیز کو حکم شرعی قرار دینا"نسبت الی الشرع" کو ممانعت کی بڑی وجہ بھی یہی ہے کہ کسی چیز کو حکم شرعی قرار دینا"نسبت الی الشرع" کو ممانعت کی بڑی وجہ بھی یہی ہے کہ کسی چیز کو حکم شرعی قرار دینا"نسبت الی الشرع" کو ممانعت کی بڑی وجہ بھی یہی ہے کہ کسی چیز کو حکم شرعی مشمن ہے۔

غور کیاجائے تو فدمت و ممانعت کا یہ نکتہ جس طرح شرعی احکام کے ابواب میں پایاجا تا ہے بوں ہی فضائل کے ابواب میں پایاجا تا ہے، فدمت کی اس اصل واساس سے بچنے کی اگر کوئی صورت ہے تووہ یہی ہے کہ جمہور محدثین کرام کی شر الط کا بھر پور خیال ولحاظ رکھاجائے، ان شر الط کی رعایت رکھے بغیر ضعیف روایات سے استفادہ کیاجائے گاتو یہ خرابی اس میں پائی جائے گی، بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ ان شر الط کے لگانے کا بڑا فائدہ ہی ہی ہے کہ اس خرابی سے بچاجا سکے۔

نوال اشکال:ضعف میں اختلاف کے وقت معیار کیاہو گا؟

ضعیف احادیث سے متعلق اس تحریر میں جو موقف اختیار کیا گیاہے، متعدد اہل علم حضرات کا اس موقف پر مطمئن نہ ہونے کی ایک وجہ یہ بھی دیکھنے میں آئی ہے کہ اگر صعیف احادیث کا یہی درجہ ہے تو اس موقف کے مطابق ضعیف احادیث کا معیار ومدار کیاہوگا؟ یعنی کس کی تضعیف معتبر ہوگی؟ کتب حدیث میں بہت مرتبہ ایسا بھی ہو تاہے

کہ کوئی حدیث صحیح یا حسن ہوتی ہے لیکن بعض محدثین کی جانب سے اس کی تضعیف کی جاتی ہے؟ جاتی ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ شبہ جس طرح اس موقف کے بارے میں اٹھایاجا تا ہے یوں ہی دوسرے مواقف کے بارے میں اٹھایاجا تا ہے محض اس یوں ہی دوسرے مواقف کے بارے میں بھی اس کو اٹھایا جاسکتا ہے، اس لئے محض اس شبہ کی بنیاد پر درج بالا موقف میں کوئی علمی سقم پیدا نہیں ہو تا۔ جہاں تک اصل شبہ کا قضیہ ہے تواس کا جواب یہ ہے کہ:

ا: محققین کے نزدیک حدیث کی تصحیح، تحسین اور تضعیف اجتهادی نوعیت کے مسائل ہیں۔

7: اجتہادی نوعیت کے مسائل میں ضابطہ یہی ہے کہ اگر کوئی شخص اجتہاد کی صلاحیت واستعداد اور اس کے لئے مطلوبہ ذوق سے مالا مال ہو تو وہ اپنے اجتہاد کا پابند ہوگا،اور جو شخص اس استعداد سے محروم ہو،وہ مجتہدین میں سے کسی ایک کی اتباع و تقلید کرے گا۔

۳: جس طرح فقہی اجتہادی مسائل میں ایک مجتہد کا دوسرے مجتہد پر، یا ایک مجتہد کے مقلد کا دوسرے مجتہد پر، یا ایک مجتہد کے مقلد کا دوسرے مجتہد کے مقلد کا دوسرے مجتہد کے مقلد کی اعتراض و تنقید کرنا مذموم ہے، یوں ہی یہاں بھی ہے، تاہم آلات اجتہاد میں بحث ومناقشہ کرنا، دلائل کی جانچ پڑتال میں ردوقدح کرنا برا نہیں ہے بلکہ درست نتیج تک پہنچنے میں بہت ہی معین ومد دگارہے۔

د سوال اشكال: كيابيه "تشدّه " ي ؟

ضعیف احادیث کے مقام وحیثیت سے متعلق سابقہ صفحات میں جو گفتگو کی گئ ہے اور یہال جس موقف کو رانح قرار دیا گیاہے، بعض دفعہ اس کو "تشدّد" سے تعبیر کیاجاتاہے، عرب وعجم کے متعدد اہل علم جن بنیادوں پر اس موقف کو مستر د کرتے ہیں،ان میں سے ایک بنیادیہ بھی ہے کہ چونکہ یہ تشد دہے اور عصر حاضر کے متشد دین کا موقف ہے جبکہ تشد دین سے موقف ہے جبکہ تشد دیں سلے یہ موقف قابل قبول نہیں۔ قابل قبول نہیں۔

اس اشکال کے جواب سے پہلے تمہید کے طور پریہ گزارش کرناضر وری محسوس ہوتا ہے کہ علمی میدان میں ان جیسی اصطلاحات سے اس وقت احتراز ہی کرتے رہنا مناسب ہے، فی زمانہ ان اصطلاحات کا بہت ہی بے ضابطہ بلکہ خلاف ضابطہ استعال رائے ہے جس کی وجہ سے عملی میدان سے ہٹ کرخو د علمی میدان میں بھی بڑی ہی غلط فہمیاں راشخ ہوتی جارہی ہیں۔

بہر حال اصل جواب سے ہے کہ کوئی چیز مذموم تشد دہ ہے اور کوئی نہیں؟ اس کا معیار اگر شریعت الہید اور اس کے نصوص و دلائل ہیں توایسے تشد دسے بچناہی ضروری ہے، لیکن ضعیف احادیث کے متعلق ابھی تک جو موقف ذکر کیاجا تارہاہے، وہ شرعی نصوص کے خلاف نہیں بلکہ نصوص ہی کا مقتضی اور اس کا حاصل ہے، اس لئے اس کو اس معنی میں تشد دسے تعبیر کرنا بالکل بے جاہے، اگر کسی صاحب علم شخصیت کے نزدیک بید موقف کمزور بھی ہوتو بھی اجتہادی دائرہ کار میں رہتے ہوئے کسی دو سرے معتمد مجتمد کے موقف کو کلی طور پر تشد د کہنا اور اس بناء پر اس کی مذمت کرنا خود ہی تشد د ہے جو بجائے خود مذموم ہے۔

گیار ہواں اشکال: بعض ضعاف تو واقعات کے مطابق ثابت ہو جاتے ہیں!

متعدد احادیث الی بھی ہیں جو سند کے لحاظ سے توہیں ضعیف، لیکن متعدد مرتبہ الی احادیث کا مضمون بھی واقع کے بالکل مطابق ثابت ہو جاتا ہے، قیامت کے علامات سے متعلق بھی متعدد روایات اس قبیل کے ہیں اور کا ئناتی حقائق سے متعلق بھی کچھ باتیں

الیی ہیں جو اصلاً تو کسی ضعیف روایت میں وار دہوئی ہیں لیکن بعد میں تحقیق کرنے سے ان کا واقع کے بالکل مطابق ہونا ثابت ہوا۔ ان جیسی روایات کے مضامین کی جب واقعات و تحقیقات سے تصدیق ہوجاتی ہے تو بہت سے لوگوں کے لئے یہ بات قابلِ اشکال بن جاتی ہے اور وہ اس بناء پر بھی ضعیف روایات کو ججت تسلیم کرنا شروع کرتے ہیں۔

اس اشکال کا جواب ہے ہے کہ کسی چیز کا واقع کے مطابق ہونا یا بینی برحقیقت ہونا اس بات کو کسی طرح متلزم نہیں ہے کہ وہ ضر ور حضور نبی کریم مُنَا اللّٰهِ اللّٰهُ اللّٰهِ الللّٰهِ اللّٰهِ اللّٰهِ اللّٰهِ الللّٰهِ اللّٰهِ اللّٰهِ اللّٰهِ اللّٰهِ اللّٰهِ الللّٰهِ الللّٰهِ الللّٰهِ الللّٰهِ الللّٰهِ الللّٰهِ الللّٰهِ اللّٰهِ اللّٰهِ الللّٰهِ الللّٰهِ الللّٰهِ الللّٰهِ الللّٰهِ اللّٰهِ الللّٰهِ اللّٰهِ الللّٰهِ اللّٰهِ الللّٰهِ الللّٰهِ الللّٰهِ اللللّٰهِ اللللّٰهِ الللّٰهِ اللّٰهِ الللّٰهِ الللّٰهِ الللّٰهِ الللّٰهِ الللللّٰهِ الللّٰهِ ال

کونسی بات حضور مَنَّالِیَّیْمِ کی فرمودہ ہے اور کونسی نہیں؟ اس کا تعلق واقعات و حقا کُق کے ساتھ نہیں ، بلکہ ثبوت کے ساتھ ہے ، لہٰذا کسی چیز کا سچ و حقیقت ہونا اس بات کے لئے کافی نہیں ہے کہ اس کو حضور مَنَّالِیْئِم کی طرف منسوب کر دیاجائے۔

حضرت شيخ عبدالفتاح ابوغده رحمه الله ايك جگه تحرير فرماتے ہيں:

قال عبد الفتّاح: لا يترتّب على ذلك شيء ولو توافق في كلّ السّنين، فإنّ شرطَ الثّبوت للحديث عن رسول الله صلّى الله عليه وسلّم هو صحّةُ صدوره عنه قو لا أو فعلا أو إقرار، وليس كلّ ما وافق الواقع يصحّ أن يكون حديثا نبويّا، فكلُّ ما قاله رسول الله صلّى الله عليه وسلّم حقّ، وليس كلّ ما هو حقّ قاله رسول الله.قال الحافظُ المزّي:

((ليس لأحد أن ينسبَ حرفا أي كلمة يستحسنه مِن الكلام إلى الرّسول صلّى الله عليه وسلّم حق وإن كان ذلك الكلامُ في نفسه حقّا فإنّ كلّ ما قاله الرّسول صلّى الله عليه وسلّم حقّ وليس كلّ ما هو حقّ قاله الرسول صلّى الله عليه وسلّم)) انتهى مِن ذيل الموضوعات للسّيوطى.

ترجمہ: بندہ کی رائے ہیہ ہے کہ سالوں سال اس سے کوئی نتیجہ نہیں نکاتا، کیونکہ حدیث کے صحیح ہونے کی شرط ہیہ ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قولاً، فعلاً، یاا قراراً صحیح طور پر نقل ہوئی ہو۔ یہ نہیں کہ جو بھی بات حقیقت سے ہم آ ہنگ ہو، وہ نبوی حدیث ہو۔ وہ بنوی مدیث ہو۔ ہر وہ بات جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہی وہ حق ہے، مگر ہر وہ بات جو حق ہو، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب نہیں کی جاسکتی۔" حافظ مزی فرماتے ہیں کہ: "کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ کسی لفظ کو جو اسے پہند ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرے، چاہے وہ لفظ بذات خود سے (درست) ہو، کیونکہ ہر وہ بات جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہی، وہ حق ہے، مگر ہر وہ بات جو حق ہو، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہی، وہ حق ہے، مگر ہر وہ بات جو حق ہو، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کہی۔" یہ اقتباس امام سیوطی گی کتاب " ذیل الموضوعات " سے نقل ہے۔

بار ہواں اشکال: اکابر کی کتابوں میں ضعیف روایات کیوں؟

زیر نظر موضوع سے متعلق عام طور پریہ اشکال کیاجاتا ہے کہ اکابر علماء کرام کی کتابوں میں بھی توضعیف روایات موجود ہیں۔

اس کاجواب یہ ہے کہ اس کے متعد د اسباب ہوسکتے ہیں:

ا ظفر الأماني، ص٢٥٧

الف: ممکن ہے کہ کسی حدیث کاضعیف ہوناان کو مستحضر نہ ہو۔

ب: ان کی تحقیق کے مطابق وہ ضعیف ہی نہ ہو، پہلے ذکر کیا جاچکا ہے کہ احادیث مبارکہ کی تصحیف کا معاملہ اجتہادی ہے، لہذا علم حدیث میں مہارت رکھنے والے اہل علم کااس میں اختلاف ناممکن ہے اور نہ مصر۔

ج: انہوں نے "مشر وط طور پر "عمل کرنے کے لئے نقل فرمایا ہو جس کی تفصیل اسی کتا بچے کے دوسرے باب میں تفصیل کے ساتھ ذکر ہو چکی ہے۔

ان میں سے کوئی ایک عذر بھی کسی کے ذمہ فارغ ہونے کے لئے کافی ہے، بلکہ ساتھ نیک نیتی بھی ہو تو اللہ تعالی کے فضل و کرم سے ثواب کی بھی امید کی جاسکتی ہے، تاہم اس کی وجہ سے اصولی قواعد میں تبدیلی یاتر میم کرناکسی طرح درست نہیں ہو سکتا۔

یمی وجہ ہے کہ بہت سے اسلاف واکابر کی کتابوں میں موضوع روایات بھی مذکور ہیں، خود "سنن ابن ماجہ" کی متعدد روایات کو کئی مستند اہل علم نے موضوع قرار دیاہے جبکہ حدیث موضوع کو بغیر تصر سے و تعبیہ کے نقل کرناہی درست نہیں، اس کے باوجود سنن ابن ماجہ وغیرہ کتابوں میں الیی روایت بغیر تنبیہ کے مذکور ہیں، لیکن اس کی وجہ سے ضابطہ میں کوئی تبدیلی نہیں لائی گئی، ہاں ان کے اس عمل کی توجیہ کی گئی۔

حضرت مولانانور البشر صاحب زید مجد ہم اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں:
" اس بات کو بھی پیش نظر رکھا جائے کہ حدیث رسول کی عظمت اور حضور اکرم مُلَّا لِیُّنِیَّم کی حرمت ہمارے لئے اللہ تعالی کے بعد ہر چیز سے مقدم ہے،اگر کوئی الله تعالی بعد ہر چیز سے مقدم ہے،اگر کوئی الله الله بات اپنے اکابر کے کلام میں آجائے اور تحقیقی طور پر معلوم ہوجائے کہ یہ حدیث الله علی بات اپنے اکابر کی طرف داری گویا حضور اکرم مُلَّالَّیْنِیْم کی عظمت و حرمت کے مقابلہ میں معاذاللہ ترجیج پار ہی ہے، جس سے بوری اجتناب ضروری ہے۔

دیکھے! حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہ سے کسی شخص نے "تمتع بالعمرة الی الحج" کے بارے میں پوچھا، تو حضرت عبداللہ بن عمر نے فرمایا کہ جائز ہے، اس شخص نے کہا کہ آپ کے والد نے تو منع کیا ہے، حضرت ابن عمر نے فرمایا: یہ بتلاؤ:اگر میرے والد نے منع کیا ہواور حضور اگرم میگائیڈیڈ اس عمل کو انجام دیا ہو، تومیرے والد کی اتباع کی جائے گی، یا حضور میگائیڈیڈ کی ؟ اس نے عرض کیا کہ حضور میگائیڈیڈ کی کی اتباع کی جائے گی، تو حضرت ابن عمر نے فرمایا: سمجھ لو کہ حضور اکرم میگائیڈیڈ کی بذات خود کیا ہے۔

جب امام ابن ماجه رحمة الله عليه جيسے نابغه غلطی سے غلط احادیث اپنی "سنن "میں لکھ سکتے ہیں اور بعد میں آنے والے ان کی نشاند ہی کر سکتے ہیں تو پھر ہم بھی اپنوں کی غلطیاں کیوں ظاہر نہیں کر سکتے!؟

البتہ یہ بات ملحوظ رہے کہ جب بھی کسی بڑے کی بات کی تر دید کی جائے، تو بلا تحقیق کامل لب کشائی اور خامہ فرسائی نہ کرے اور جب اظہار کرے تو ادب کو ملحوظ رکھ کر کلام کرے، اپنے آپ کو حرفِ آخر قرار نہ دے اور اپنی غلطی ظاہر ہونے کی صورت میں فوری رجوع کرے۔"ا

والله تعالی اعلم بالصواب ناکاره عبید الرحمن غر ةر مضان ۴۴هه

ا احادیث رسول مَلَا لَیْزُم کی صیانت و حفاظت، ص ۵۰

مر اجع ومصادر

مصنف	كتاب	تمبر شار		
کتب احادیث				
امام ابوعيسي ترمذيّ	سنن تر مذی	1		
امام مسلم قشیر گ	صحيح مسلم	۲		
امام ابو حاتم دار می ً	صحیح ابن حبان	٣		
ىشر وح حديث				
علامه حسین مظهری ؓ	المفاتيح فى شرح المصابيح	۴		
مولاناعبدالحق دہلوگ	لمعات التنقيح	۵		
امام ملاعلی قارگ ً	مر قاة المفاتيح	7		
حضرت مولانار شیداحمه گنگوهی ٌ	الكوكب الدري	4		
حفزت مفتی محمد فرید ٌ	فتحالمنعم شرح مقدمه صحيح مسلم	٨		
مولا ناشبير احمه عثماني	فتح الملهم	9		
مولانا ظفراحمه عثاني ً	اعلاءالسنن	1+		
امام یکی ابن شرف نووگ ً	شرح النووي على مسلم	11		
اصول حديث				
مولاناشعيب مفتاحي زيد مجد بهم	احاديث ضعيفه كي استدلالي حيثيت	11		
د کتور عبد العزیز زید مجد ہم	تحقيق القول بالعمل بالحديث الضعيف	١٣		

_	
الحديث الضعيف وحكم الاحتج	١٣
الاجوبة الفاضلة	10
احادیث رسول سَلَّاللَّهُ عَلَیْهُم کی	14
حفاظت	
الجزء اللطيف فى الاستدلال	14
الضعيف	
تبيين العجب	14
تدريب الراوى	19
حكم العمل بالحديث الضعيف	۲٠
توجيه النظر الى اصول الاثر	۲۱
تيسير مصطلح الحديث	۲۲
الجامع لاخلاق الراوى وآدار	۲۳
توضيح الافكار	۲۳
شرح علل التر مذي	r a
ضعیف حدیث کی نثر عی حیا	77
ظفرالاماني	14
الاذكار	۲۸
فتحالمغيث بشرح الفية الحدية	r 9
مجموعه رسائل حكيم الاسلام	۳.
المدخل الى كتاب الاكليل	۳۱
	احادیث رسول مَثَاثَیْا مِنْ السَّدلال الْجزء اللطیف فی الاستدلال الضعیف تمبین العجب تدریب الراوی محکم العمل بالحدیث الضعیف توجیه النظر الی اصول الاثر الجامع لاخلاق الراوی و آدار و ضحیف طدیث کی شرع علل الترمذی منظر العائی ضعیف حدیث کی شرعی حیف ظفر الامانی محکوم المعنیث بشرح الفیة الحدید الاذکار و تحرید الدوکار الاذکار و تحرید الدوکار الاذکار و تحرید الدوکار الدوکار و تحرید کی شرعی حیف طدیث کی شرعی حیف طفر الامانی محکوم و مدرسائل حکیم الاسلام و تحرید محموم و مدرسائل حکیم الاسلام و تحرید محموم و مدرسائل حکیم الاسلام و تحدید محموم و مدرسائل حکیم الاسلام و تحدید محموم و مدرسائل حکیم الاسلام

علامه زاہد کو ثریؒ	مقالات الكونژي	٣٢	
ابوعمرو تقى الدين المعروف بابن	مقدمة ابن الصلاح	٣٣	
الصلاحُ			
امام محمد بن محمد سنوسی حسنی	تكمل اكمال الاكمال	٣٣	
مولاناسر فراز خان ؒ	المنهاج الواضح	۳۵	
د کتور نور الدین عتر ً	منهج النقد في علوم الحديث	٣٦	
مولاناعبدالله معروفي صاحب	حدیث اور فہم حدیث	٣٧	
علامه خطیب بغدادیؓ	الكفاية في علم الرواية	٣٨	
علامه ابن حجر متيمي ً	افتح المبين التح المبين	٣٩	
علامه سمس الدين محمد سخاويٌ	القول البديع في الصلاة على الحبيب	۴.	
	الشفيع		
كتب فقه			
علامه على ابن ابي بكر مر غيناني ً	الهدابي	۲۱	
علامه ابن البهام ً	فتخ القدير	۴۲	
علامه محمد ابن على حصكفي ً	الدرالمختار	۳۲	
علامه احمد بن ادريس الشهير بالقرافي	الذخيرة	44	
ابوالفضل عبدالله بن محمود ٌ	الاختيار لتعليل المختار	40	
كتب فآوى			
مفتى رشيد احمد لد ھيانو ئ	احسن الفتاوي	٣٦	
مفتی محمود الحسن دیوبندگ	فآوی محمودیی	۲۷	

اصول فقنہ				
سمْس الائمه محمد سر خسي ٌ	اصول سر خسی	۴۸		
كتب عقائد				
علامه ابرا ہیم شاطبی ؓ	الاعتصام	۴٩		
علامه ابن الى شامه مقد سى ً	الباعث على انكار البدع	۵٠		
كتب تضوف				
علامه محمد خاد مي ّ	بريقه محموديه في شرح طريقة محدية	۵۱		
علامه بر کوئ ً	الطريقة المحمدية	or		
مفتی عبید الرحمن، مر دان	علم تصوف وسلوك	or		
كتب رجال				
علامه تقى الدين سبكيٌّ	طبقات الشافعيه	۵۳		